بیاد قاسم العلوم والمعارف حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند

اکابر دیوبند کے علوم و معارف کا نقیب، علمی، ادبی، تحقیقی و اصلاحی مضامین پر مشتمل برقی مجلّہ

مجلہ القاسم

Majallah Al-Qasim

جلد 01 — شمارہ 01

ماہ جون 2020ء — ماہ شوال ۱۴۴۱ھ

مدیر اعلی

سلمان رحمانی قاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند

نائب مدیر

مفتی فریدی القاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند

معاون مدیر

مفتی نسیم لکھیم پوری

معاون مدیر

مفتی محمد انعام اللہ حسن

ٹیلیگرام چینل

دارالمصنفین

DARULMUSANNIFEEN

برقی کتب خانہ ''دارالمصنفین'' ایک تعارف

اس وقت سوشل میڈیا کا استعمال وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے، دنیا کے سبھی ممالک جہاں سوشل میڈیا کے مثبت استعمال سے مستفید ہو رہے ہیں، وہیں بڑی حد تک اس کے غلط استعمال کا خمیازہ بھی بھگت رہے ہیں، میرے مشفق و مربی حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ سوشل میڈیا سے متعلق ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''ضرورت اس بات کی ہے کہ سوشل میڈیا کا اچھے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے اور اس کی مضرتوں سے نئی نسل کو بچایا جائے؛ کیوں کہ جن چیزوں میں نفع اور نقصان دونوں پہلو ہوں، اور اس ذریعہ کو بالکل ختم کر دینا ممکن نہ ہو تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے لئے یہی حکم ہے کہ اس کو مفید طریقہ پر استعمال کیا جائے اور نقصاندہ پہلوؤں سے بچا جائے، جس چاقو سے کسی جانور کو حلال طریقہ پر ذبح کیا جا سکتا ہے اور کسی بیمار کو نشتر لگایا جا سکتا ہے، وہی چاقو کسی بے قصور کے سینہ میں پیوست بھی کیا جا سکتا ہے، تو ہمارے لئے یہی راستہ ہے کہ ہم چاقو کے صحیح استعمال کی تربیت کریں۔"

لہذا ان ہی چندوجوہ اور فوائد کا خیال رکھتے ہوئے سوشل میڈیا کے معروف ذرائع ٹیلیگرام (Telegram) پر "دارالمصنفین" کے نام سے ایک بڑا برقی کتب خانہ کا وجود عمل میں آیا جو چند علماء کی سرکردگی میں تاحال رواں دواں ہے، اس ٹیلیگرام چینل میں اکابر دیوبند اور ان سے وابستہ حضرات علمائے کرام کی اردو تصانیف (قرآن، علوم قرآن، احادیث، علوم حدیث، فقہ و فتاوی، تفاسیر، سیرت رسول اکرم ﷺ، سیرت صحابہ، سیرت تابعین اور سیرت اکابر دارالعلوم دیوبند نیز درس نظامی سے متعلق کتب اور اردو عربی شروحات وغیرہ، اسی طرح موضوع اور مصنف کے اعتبار سے فہرست کے ساتھ یکجا انٹرنیٹ یا مؤلفین و مرتبین سے موصول شدہ کتب) کو جمع کیا گیا ہے، جس سے ہزاروں افراد مستفید ہو رہے ہیں۔ (اداریہ سے ماخوذ)

شامل ہونے کے لئے

https://t,me/darulmusannifeen

@darulmusannifeen

فہرست مضامین

اطلاع عام

مجلّہ القاسم ہم سے حاصل کرنے کے لئے ہمارے ٹیلیگرام چینل دارالمصنفین میں تشریف لائیں، خود بھی مطالعہ کریں اور دوست واحباب میں عام کریں

Contact Us: http://t.me/darulmusannifeen

http://t.me/alqasimrabtabot

Email Me: majallahalqasim@gmail.com

صدائے بازگشت

سوشل میڈیا اور رسائل کے اجرا کی ضرورت

سلمان رحمانی قاسمی

انسان اپنی تمام ضروریات اپنے آپ پوری نہیں کرسکتا، اسے اپنی خواہش، اپنی ضرورت اور اپنا مدعا دوسروں تک پہنچانا پڑتا ہے، پہنچانے کے عمل کو 'ابلاغ' کہتے ہیں، ابلاغ کے لئے انسان کو دو قدرتی ذرائع مہیا کئے گئے ہیں، ایک: زبان؛ جس کے ذریعہ آپ قریب کے لوگوں تک اپنی بات پہنچا سکتے ہیں، دوسرے: قلم؛ جس کے ذریعہ آپ کوئی بات لکھ سکتے ہیں اور اسے کسی ذریعہ سے دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں اس ذرائع ابلاغ کی ایک قسم سوشل میڈیا ہے، جسے سماجی رابطے کی ویب سائٹ بھی کہا جاتا ہے، دورِ جدید میں اپنے وسیع استعمال کی وجہ سے نہایت اہمیت کا حامل ہے، سوشل میڈیا نے فاصلوں کی وسعتوں کو سمیٹ دیا ہے، اس وقت سوشل میڈیا کے اثرات پوری دنیا پر عیاں ہیں، سات براعظموں پر پھیلی اس دنیا کو ایک کوزے میں تبدیل کر دینے کے ساتھ حیاتِ انسانی کو گویا ایک نیا رخ دے دیا ہے۔

اس وقت سوشل میڈیا کا استعمال وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے، دنیا کے سبھی ممالک جہاں سوشل میڈیا کے مثبت استعمال سے مستفید ہو رہے ہیں، وہیں بڑی حد تک اس کے غلط استعمال کا خمیازہ بھی بھگت رہے ہیں، میرے مشفق و مربی حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ سوشل میڈیا سے متعلق ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ

> "ضرورت اس بات کی ہے کہ سوشل میڈیا کا اچھے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے اور اس کی مضرتوں سے نئی نسل کو بچایا جائے؛ کیوں کہ جن چیزوں میں نفع اور نقصان دونوں پہلو ہوں، اور اس ذریعہ کو بالکل ختم کر دینا ممکن نہ ہو تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے لئے یہی حکم ہے کہ اس کو مفید طریقہ پر استعمال کیا جائے اور نقصاندہ پہلوؤں سے بچا جائے، جس چاقو سے کسی جانور کو حلال طریقہ پر ذبح کیا جاسکتا ہے اور کسی بیمار کو نشتر لگایا جاسکتا ہے، وہی چاقو کسی بے قصور کے سینہ میں پیوست بھی کیا جاسکتا ہے، تو ہمارے لئے یہی

راستہ ہے کہ ہم چاقو کے صحیح استعمال کی تربیت کریں۔"

لہذا ان ہی چندوجوہ اور فوائد کا خیال رکھتے ہوئے سوشل میڈیا کے معروف ذرائع ٹیلیگرام (Telegram) پر "دارالمصنفین" کے نام سے ایک بڑا برقی کتب خانہ کا وجود عمل میں آیا جو چند علماء کی سرکردگی میں تاحال رواں دواں ہے، اس ٹیلیگرام چینل میں اکابر دیوبند اور ان سے وابستہ حضرات علمائے کرام کی اردو تصانیف (قرآن، علوم قرآن، احادیث، علوم حدیث ،فقہ و فتاوی ،تفاسیر، سیرت رسول اکرم ﷺ ، سیرت صحابہ، سیرت تابعین اور سیرت اکابر دارالعلوم دیوبند نیز درس نظامی سے متعلق کتب اور اردو عربی شروحات وغیرہ، اسی طرح موضوع اور مصنف کے اعتبار سے فہرست کے ساتھ یکجا انٹرنیٹ یا مؤلفین ومرتبین سے موصول شدہ کتب) کو جمع کیا گیا ہے، جس سے ہزاروں افراد مستفید ہورہے ہیں، زیر نظر برقی رسالہ "القاسم" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اللہ رب العزت کا بے پایاں احسان ہے کہ اس نے ہم اراکین کو اس سعادت سے نوازا، تحریرو صحافت کا ذوق اللہ رب العزت نے تعلیم کے ابتدائی زمانے سے ودیعت رکھا تھا اور فراغت کے بعد سے دیرینہ خواہش تھی کہ کوئی ایسا رسالہ نکلے جو امت کے ہر طبقہ کیلئے مفید عام ہو، اللہ رب العزت نے یہ خواہش بھی پوری فرمائی اور توفیق سے نوازا اور الحمد للہ یہ رسالہ "القاسم" کے نام سے آپ حضرات کے سامنے ہے فی الحال یہ برقی رسالہ ہے مزید اللہ نے توفیق دی اور وسائل مہیا ہوئے تو طبع شدہ رسالہ بھی آپ حضرات کو موصول ہوا کرے گا۔

اس رسالے کے نام سے ہی اس کے مقاصد عیاں ہیں، خصوصا علم دوست احباب کے لئے تو تعارف کی حاجت نہیں سمجھتا ؛ کیونکہ اس رسالہ کو جس ہستی کے نام سے شائع کیا گیا ہے ؛ وہ علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، دنیا کے کسی کونے میں اگر علم کی بو محسوس ہورہی ہے خصوصا ہندو پاک میں وہ بالواسطہ قاسم العلوم رحمہ اللہ کی مرہون منت ہے، حضرت والاؒ کی شان میں مجھ ادنی سا شخص کیا لب کشائی کرسکتا ہے بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی سیر حاصل زمین نے جہاں فقہ وحدیث میں صنعانی، علی متقی، شیخ عبدالحق، کلام واسرار شریعت میں بحرالعلوم اور شاہ ولی اللہ، ادب ومعانی میں عبدالملک اور ملا محمود، فلسفہ ومنطق میں ملا نظام الدین اور ملا محبّ اللہ، ادب وشاعری میں خسرو اور فیضی ،تاریخ وخبر میں برنی اور ابوالفضل کو پیدا کیا، وہیں اس کے ایک فرزند مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی تھے جو عبدالحق بھی اور شاہ ولی اللہ بھی، ملا محمود بھی اور فیضی بھی،

جنہوں نے علوم شریعت کی وہ شمع (دارالعلوم) روشن کی جس کی روشنی سے بلاد ہند اور دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں-بقول مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ

جو شمع یقین روشن ہے یہاں، وہ شمع حرم کا پرتو ہے
اس بزم ولی اللہی میں تنویر نبوت کی ضو ہے
یہ مجلس مے وہ مجلس ہے، خود فطرت جس کی قاسم ہے
اس بزم کا ساقی کیا کہیے جو صبح ازل سے قائم ہے

نیز آگے تحریر فرماتے ہیں:

یہ ایک صنم خانہ ہے جہاں محمود بہت تیار ہوئے
اس خاک کے ذرے ذرے سے کس درجہ شرر بیدار ہوئے

لہذا ایسے صاحب علم و معارف کی یاد میں اور ان کے علمی میراث کو عام کرنے کے لئے خود دارالعلوم دیوبند نے پہلی دفعہ اس سلسلے کا باضابطہ آغاز ماہنامہ "القاسم" سے کیا تھا، اس رسالہ کے مرتب حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں دیوبندیؒ تھے اور سرپرستوں میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحبؒ تھے، اس رسالہ کو پہلی دفعہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کے نہایت اہم اجلاس 'جلسہ دستار بندی' منعقدہ 6، 7، 8 ربیع الثانی 1328ھ میں شائع کیا گیا، اور ساتھ ہی ساتھ ایک سال کے بعد ایک دوسرا رسالہ ماہنامہ "الرشید" کے نام سے شائع کیا جانے لگا، جس کا ارادہ القاسم سکے پہلے شمارے میں کیا گیا تھا-

یہ دونوں رسالے ۱۳/سال تک تواتر کے ساتھ اپنے بلند پایہ علمی؛ تحقیقی مضامین و مقالات کے ساتھ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی ادارت میں شائع ہوتا رہا، ان دونوں رسائل میں وقت کے اکابر علماء جیسے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ کے مضامین شائع ہوتے تھے، اس رسالہ کے بعض شماروں میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے افادات بھی شائع ہوئے تھے، ان حضرات کے علاوہ خود مدیر محترم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں دیوبندیؒ، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے اکابر دیوبند مستقل مضمون نگاروں میں شامل تھے، اور ان ہی دونوں رسائل

سے رئیس القلم والتحریر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی تحریری خدمات کا آغاز ہوا، جس کا تذکرہ خود مولانا مرحومؒ نے بڑے دلچسپ انداز میں اپنی کتاب ''احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن'' میں کیا ہے۔

اس رسالہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کا ایک جامع تمہیدی مضمون جو چند صفحات پر مشتمل تھا شائع ہوا، جس میں نہایت بلاغت کے ساتھ رسائل کے اجرا کی ضرورت اور مقاصد پر سیر حاصل گفتگو کی گئی، جو مضمون کے عنوان سے بالکل واضح ہے، مضمون کا عنوان تھا "ضرورت ہی کیا تھی"، اس عنوان کے تحت حضرت والا نے اخبارات ورسائل کی کثرت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''یہ سب کچھ صحیح ہے؛ لیکن کچھ ضرورتیں دینی، مذہبی اور تمدنی ایسی بھی تھیں، جن کو خیال کرتے ہوئے، نہ صرف مستحسن؛ بلکہ نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کے تدین وتمدن میں عام غلط فہمی وگمراہی سے بچانے، سیدھی اور سچی راہ چلانے، اسلام کے اصلی ذائقہ سے واقف کرنے، قوتِ روحانی کو ترقی دینے کے لیے ایسا سامان کر دیا جائے جو اُن کے لیے سچا رہنما، افراط وتفریط میں مبتلا ہونے سے بچانے والا ہو۔''

(ماہنامہ دارالعلوم، دسمبر 2016)

اس کے بعد مسلمانوں کے حالات کی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"اب جن لوگوں میں دینی امور کی طلب بھی ہے، ان کا طریقہ طلب بھی بدل چکا ہے، اب وہ بھی گھر بیٹھے معلومات چاہتے ہیں، عام ذوق اخباروں کے مطالعہ کا ہوگیا ہے یا مخربِ اخلاق ناولوں کا، نیز علماء کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں اور اسلام کے بے مثال اصولِ تمدن ومعاشرت کو بیان نہیں کیا جا رہا ہے۔ (حوالہ سابق)

اس کے بعد آگے مزید تحریر فرماتے ہیں:"

یہ ضرورتیں تھیں جو ایک طرف تو خود علماء کے مقدس طبقہ کو اس طرف مائل کرتی تھیں۔ دوسری طرف تجربہ کار حضرات مجبور کرتے تھے کہ علماء کی طرف سے قوم کی ایسی عام خدمت ہونی چاہیے، جس سے ہر طبقہ کا شخص نفع اٹھا سکے، اسلام کے صحیح قواعد، قدیم اصول، علمِ کلام کے مسائل، سلف کے حالات بلا رنگ آمیزی شائع ہوتے رہیں، جوشِ

محبت رکھنے والے طالبانِ صادق کو سچے اور سادہ طریقہ سے اسلام کے سہل اور مشکل مسائل کی تعلیم دی جائے۔تاریخی صحیح حالات ایسے بے کم وکاست بیان کیے جاویں کہ دل بستگی اور ترقی معلومات کا ذریعہ بنیں، جدید اعتراضات، فلسفیانہ اصول، پیچیدہ صورتوں کے جوابات اصولِ اسلام کو ملحوظ رکھ کر ایسے صاف اور واضح دیے جائیں کہ جس سے مسلمانوں کا اطمینان بڑھے اور اسلام کی خوبیاں ذہن نشین ہوتی جائیں۔'' (حوالہ سابق)

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی تحریر کا یہ خلاصہ اس لیے پیش کیا گیا کہ اس سے دینی رسائل وجرائد کے مقاصد پر بڑی جامعیت کے ساتھ روشنی پڑتی ہے۔ مذکورہ تحریر پیش کردینے کے بعد مزید رسائل کے اجرا کے مقاصد اور ضرورت کے بیان کی حاجت نہیں رہتی۔

بہرحال القاسم اور الرشید دونوں رسائل نے اپنے بلند پایہ علمی محققانہ مضامین ومقالات سے علمی دنیا میں بڑی اہمیت حاصل کی؛ مگر تقدیری بات کہ ۱۳۴۱ھ میں ان دونوں رسائل کا سلسلہ بند ہوگیا اور تقریباً بیس سال تک دارالعلوم سے کسی رسالہ کا اجراء نہ ہوسکا؛ جب کہ ضرورت کا احساس مسلسل باقی رہا۔

آخر کار ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں ''ماہ نامہ دارالعلوم'' کے نام سے ایک رسالہ کا آغاز ہوا جو اب تک اپنے علمی، ادبی اور تحقیقی مضامین کے ساتھ مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

اس رسالہ کے اجرا سے مذکورہ القاسم رسالہ کی یاد دہانی مقصود ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو نافع عام وخاص بنائے، اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ مزید میں شکر گذار ہوں دارالمصنفین کے تمام منتظمین اور معاونین کا جن کی محنت سے آج اس سنگ میل کو عبور کرنے کا ایک حوصلہ ملا، اور ساتھ ساتھ شکر گزار ہیں اس رسالہ کے معاونین کا جن کی محنتوں نے اس رسالہ کو اس قابل بنایا اور ان تمام مقالہ نگاروں کو جنھوں نے صرف ایک درخواست پر اپنے اپنے قیمتی مضامین بھیج کر اس رسالہ کے منظر عام پر آنے میں اہم تعاون پیش کیا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام معاونین کو اخلاص کے ساتھ کام کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

معارف قرآن

بقائے انفع کا قرآنی قانون

مفتی محمد انعام اللہ حسن، حیدر آباد
فاضل دار العلوم دیوبند

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ،

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً، وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الاَرْضِ، كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الاَمْثَالَ۔ (سورہ رعد:۱۷)

ترجمہ: پس جھاگ تو سوکھ کر ختم ہو جاتا ہے، اور جو چیز لوگوں کو نفع دیتی ہے وہ دنیا میں رہتی ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان کیا کرتے ہیں۔

دنیا ایک خدائی کارخانہ ہے، اللہ تعالیٰ کا جو نظام اِس دنیا میں جاری و ساری ہے؛ وہ آیتِ بالا میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نفع دینے والی چیزوں کو دنیا میں قرار عطا کرتے ہیں اور اُن کی بقاء کا سامان فرماتے ہیں، جبکہ غیر نفع بخش چیزوں کو زیادہ دنوں تک باقی نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ خود بھی "نافع" ہیں اور نافعیت کے بڑے قدرداں ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے محبوب بندہ کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"اَنْفَعُ النَّاسِ لِلنَّاسِ"** وہ؛ جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔ (رواہ ابو نُعَیم فی الحلیۃ 383/6)

نفع رسانی خواہ کسی حیثیت سے ہو، وہ سببِ بقاء اور سببِ محبوبیت ہے، نافعیت میں جس قدر اضافہ ہوگا قدرت کی طرف سے اتنا ہی سامانِ بقاء فراہم کیا جائے گا۔

بقائے انفع کا یہ ضابطہ ایک حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَ يُنْسَأَلَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ۔** "جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کے نشاناتِ قدم دیر تک باقی رہیں؛ اس کو چاہیے

کہ صلہ رحمی (رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک) کرے"۔ (بخاری: باب مَن بُسِطَ لہ فی الرزق بصلۃ الرحم)

شارحین کے مطابق اِس حدیث میں وسعتِ رزق سے برکت مراد ہے، نیز نشاناتِ قدم کے دیر تک باقی رہنے سے مراد بھی بعض کے نزدیک برکت ہی ہے؛ جبکہ بعض شُرّاح مرنے کے بعد ذکرِ خیر کے باقی رہنے یا اولاد کی کثرت کو مراد لیتے ہیں۔

اس حدیث میں وسعتِ رزق اور نشاناتِ قدم میں تاخیر کے جو بھی معنی مراد لیے جائیں؛ اس کا سبب تو صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے حق میں نافع بننے ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ یہ حدیث مضمون کے اعتبار سے اوپر گزری ہوئی آیت:"**وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ**" کے ہم معنیٰ قرار دی جاسکتی ہے۔

یہاں ایک نکتہ کی طرف اشارہ کردینا مفید معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق میں سب سے زیادہ نفع بخش اور 'انفع' انبیاء کرام علیھم الصلاۃ والسلام ہوتے ہیں جو اُمت کو ابدی ناکامی سے نکال کر لازوال کامیابی کی راہ دکھلاتے ہیں؛ اُن مقدس ہستیوں کی انفعیتِ تامّہ کا ایک نتیجہ یہ سامنے آیا کہ انبیاء کرام علیھم الصلاۃ والسلام کی شان میں خصوصی طور پر یہ وارد ہے کہ قبور میں اُن کے مبارک جسم بھی بالکل محفوظ اور باقی رہتے ہیں، مٹی اُنھیں کھا نہیں سکتی! صحیح سند کے ساتھ حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الاَنْبِیَاءِ، فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ**۔"اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ بات حرام کردی ہے کہ وہ انبیائے کرامؑ کے جسموں کو کھائے، چنانچہ اللہ کا نبی (عالمِ برزخ میں) زندہ ہوتا ہے، اسے رزق عطا کیا جاتا ہے"۔ (ابنِ ماجہ، باب ذِکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم)

نافعیت اور نفع رسانی ایک ایسا وصف ہے جس کی قدر و منزلت تمام اقوامِ عالم کے نزدیک مسلّم ہے، صرف یہی نہیں؛ بلکہ جو شخص اس وصف سے جتنا زیادہ متصف ہوتا ہے؛ اس کی طرف اتنی ہی زیادہ احتیاج بھری نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، انسان تو انسان جانور بھی نافعیت کی زبان کو سمجھتے ہیں۔

اس کے بالمقابل جس چیز میں کوئی نافعیت نہیں، جو چیز کوئی اہم خدمت انجام نہیں دے رہی ہے؛ اس کی نہ تو کوئی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور نہ ہی اُسے باقی رکھا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند؛ قانونِ بقاءِ انفع کی تصویرِ مجسّم

ابھی اِن سطور کے لکھے جانے چند دن قبل مئی کی ۳۰ر تاریخ گزری ہے، اس دن دارالعلوم دیوبند کی

تاسیس کے ۱۵۴ سال پورے ہوئے ہیں، اس مناسبت سے دارالعلوم دیوبند کی نمایاں خدمات وخصوصیات اوراس کے نقوش واثرات کا ذکر چھیڑے بغیر صرف اس طرف اشارہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈیڑھ صدی سے زائد عرصہ گزرجانے کے باوجود دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم دینی تحریک کا کامیابی کے ساتھ باقی رہنا ہی بجائے خود کمالِ انفعیت کی دلیل ہے۔

اپنے اصل مقصد پر برقراری کے ساتھ تحریکوں کی جو زندگی ہوا کرتی ہے؛ وہ عموماً اتنی طویل نہیں ہوتی، تاریخ پر گہری نظر رکھنے والی جہاں دیدہ شخصیت، مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بقول:

''دعوتوں اور تحریکوں اور انقلابی واصلاحی کوششوں کی تاریخ بتلاتی ہے کہ جب کسی دعوت وتحریک پر کچھ زمانہ گزرجاتا ہے یا اُس کا دائرۂ اثر وسیع سے وسیع تر ہوجاتا ہے (اور خاص طور پر جب اس کے ذریعہ نفوذ واثر اور قیادت کے منافع نظر آنے لگتے ہیں) تو اُس دعوت وتحریک میں بہت سی ایسی خامیاں اور غلط مقاصد اور اصل مقصد سے تغافل شامل ہوجاتا ہے جو اُس دعوت کی افادیت و تاثیر کو کم یا بالکل معدوم کردیتا ہے"۔ (ماخوذ از مقدمہ منتخب احادیث)

لیکن -- نظرِ بد دور -- دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم دینی، علمی، اصلاحی وتجدیدی تحریک کا اپنے اصول سے سمجھوتہ کیے بغیر نہ صرف بقاء؛ بلکہ پورے طور پر گامزن رہنا اُس کے بانیان کے کمالِ اخلاص اور اُمتِ مسلمہ کے حق میں اُس کی 'عظیم انفعیت' کی شہادت ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ دورِ حاضر میں دارالعلوم دیوبند؛ قانونِ بقائے انفع کی تصویرِ مجسم ہے۔

اللہ رب العزت اِس امُ المدارس؛ بلکہ امُ الجامعات کی ہر طرح کے شرور وفتن سے حفاظت فرمائے، اور ہمیں تاحیات مستفید ہونے کے مواقع میسر فرمائے۔ آمین

یہاں پہنچ کر ہمیں بھی اپنی بقاء کی فکر لازم ہے، بقائے انفع کے اس قرآنی قانون کے تناظر میں ہمیں اپنی انفعیت ثابت کرنے کی جدوجہد کرنی ہی چاہیے۔ دعا ہے کہ خداوندِ قدوس ہمیں وجوہِ انفعیت سے مالامال فرمائے۔ آمین

معارف حدیث

ثلاثیاتِ بخاری

ازقلم: عزیراحمد بنارس

حدیث ثلاثی کی تعریف

لفظ ثلاثی بنا ہے ثلاثۃ سے جس کے معنی تین کے ہیں، اصطلاحِ محدثین میں حدیث ثلاثی اس حدیث شریف کو کہتے ہیں، جس میں محدث اور آپ ﷺ کے درمیان تین واسطے ہوں، یعنی صحابی، تابعی، تبع تابعی، مثال کے طور پر بخاری کی یہ حدیث جس میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے"، یہ حدیث شریف ثلاثی ہے، وہ اس طرح کہ امام بخاریؒ نقل کرتے ہیں اپنے شیخ امام مکی بن ابراھیم سے، وہ اپنے شیخ یزید بن ابوعبیدہ سے، وہ اپنے شیخ سلمہ ابن الاکوع سے اور وہ آپ ﷺ سے، اس طرح امام بخاری اور آپ ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہوئے، یہی ہے حدیث ثلاثی کا مطلب۔

بخاری میں ثلاثیات

صحاح ستہ میں کل ۲۸/ ثلاثیات ہیں جن میں سے ۲۲/ صرف بخاری میں ہیں، اور پانچ ابن ماجہ میں، اور ایک ترمذی میں، لیکن ابن ماجہ کے رواۃ متکلم فیہ ہیں۔ (بحوالہ حاشیہ تحفۃ الدرر/ص 53)

حدیث ثلاثی کی سند اعلی مانی جاتی ہے، صحاح ستہ میں یہ اعزاز صرف امام بخاری کو حاصل ہے کہ آپ نے عالی سندوں سے ۲۲/ احادیث نقل کی ہیں، جن میں سے گیارہ روایات، امام مکی بن ابراہیم سے، چھ امام ابوعاصم النبیل سے، تین محمد بن عبداللہ الانصاری سے، ایک خلاد بن یحییٰ الکوفی سے، اور ایک عصام بن خالد الحضرمی الحمصی سے مروی ہیں۔

امام مکی بن ابراھیم رحمہ اللہ

آپ سے بخاری کی گیارہ ثلاثیات مروی ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام سیوطیؒ کے مطابق آپ امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ کے شیخ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے، ائمہ حدیث میں آپ کا شمار ہوتا ہے، خود ابن حجرؒ کا قول ہے (**هو من كبار شيوخ البخاری سمع من سبعة عشر نفسامن التابعين منهم يزيد بن ابی عبيده**) "مکی بن ابراہیم، امام بخاری کے بزرگ اساتذہ میں سے

ہیں،انہوں نے سترہ تابعین سے حدیث کی سماعت کی ہے ان تابعین میں ایک یزید بن ابی عبیدہ ہیں''۔

آپ حدیث کے زبردست امام تھے،علاوہ ازیں امام اعظمؒ سے خاص الفت رکھتے تھے،امام ذہبیؒ کے مطابق آپ کی وفات نصف شعبان 215ھ میں اور امام بخاری کے مطابق 214ھ میں واقع ہوئی۔

امام ابوعاصم ضحاک بن مخلد النبیل رحمہ اللہ

آپ سے بخاری کی چھ ثلاثیات مروی ہیں،امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ کے مطابق،آپ امام بخاریؒ کے شیخ اور امام اعظمؒ کے شاگرد ہیں،آپ کی وفات 212ھ میں واقع ہوئی۔

امام محمد بن عبداللہ انصاری الکوفی رحمہ اللہ

آپ سے بخاری کی تین ثلاثیات مروی ہیں،علامہ خطیب بغدادیؒ اور ابن حجرؒ کے مطابق آپ امام بخاری کے شیخ ہیں، امام ذہبیؒ کے مطابق امام صاحب کے محدثین تلامذہ میں سے ہیں،آپ کی وفات 215ھ میں واقع ہوئی۔

امام خلاد بن یحیٰ سلمی الکوفی رحمہ اللہ

آپ سے بخاری کی ایک ثلاثی مروی ہے،ابن حجرؒ کے مطابق آپ امام بخاری کے شیخ ہیں،امام ابن بزاز الکردیؒ نے مناقب امام اعظم میں،اور امام صالحی الشامی نے عقود الجمان میں آپ کو امام صاحب کا شاگرد لکھا ہے،آپ کی وفات 213ھ میں واقع ہوئی۔

امام عصام بن خالد الحضرمی الحمصی رحمہ اللہ

ابن حجرؒ اور علامہ سیوطیؒ کے مطابق آپ امام بخاری کے شیخ ہیں، امام بخاری کے مطابق آپ کی وفات 211ھ سے 215ھ کے درمیان واقع ہوئی۔

آپ نے غور کیا کہ بخاری شریف کی 22 ثلاثیات میں سے 21 ثلاثیات امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگردوں سے مروی ہیں،خود بخاری کی روایات اور جرح وتعدیل کی معتبر کتب سے یہ روشن حقیقت آشکارا ہوتی ہے،اور سالار کارواں سیدنا امام اعظمؒ اور ان کے تلامذہ کی عظمت ورفعت پر،''اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ حَقُّ الیقین'' کی سی مہر ثبت ہوتی ہے،جو کہ ایک درخشاں وتابندہ حقیقت ہے۔

---

(۱)سیر اعلام النبلاء (۲)تھذیب الکمال (۳)تھذیب التھذیب (۴)طبقات الحفاظ (۵)عقود الجنان (۶)بستان المحدثین (۷)انوار الباری (۸)تحفۃ القاری (۹)تحفۃ الدرر (۱۰)ظفر المحصلین باحوال المصنفین

معارف قاسم

اکابر دیوبند کے علوم و معارف کی اہمیت دورحاضر میں

مفتی محمد مصعب قاسمی

مفتی دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

ماضی قریب میں چند ہستیاں ایسی گزری ہیں، جو خیر القرون کی یادگار، سلف صالحین کا نمونہ، علم وفضل، فہم دین اور قوت استعداد کے ساتھ ساتھ انابت الی اللہ، صلاح وتقوی، دینی ہمدردی وخیر خواہی، سادگی وتواضع، فنائیت وللّٰہیت جیسی صفات کی جامع تھیں، تمام امور میں صرف رضائے الٰہی ان کا مقصد تھا، ان کی ایک اہم خصوصیت دین کی تعبیر وتشریح میں محتاط ومعتدل اسلوب اور مزاج و مذاق میں ان کی سلامت روی تھی، انہی ممتاز ہستیوں کو اکابر دیوبند کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اکابر دیوبند کے علوم ومعارف اور انسانی دنیا پران کی مخلصانہ ہمہ جہت خدمات کے اثرات آج روز روشن کی طرح عیاں اور ظاہر ہیں، ان کی خدمات کا جائزہ مختصر جملوں میں اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے جہاں اسلام پر کیے گئے شبہات کا معترضین کے نزدیک مسلمہ اصولوں سے تشفی بخش جواب دیا اور خارجی حملوں سے اسلام کی حفاظت کی ایک فصیل قائم کرکے اس کا قلعہ مضبوط ومستحکم کیا، وہیں اسلام کی داخلی بناؤں کی بھی حفاظت کا انتظام کیا اور خود مسلمانوں کے شبہات اور مادیت کی راہ سے ان کے ذہنوں میں پہنچنے والے خلجانات اور تلبیسات کا بھرپور ازالہ کیا اور یہ بات پورے یقین اور بصیرت کے ساتھ کہی اور لکھی جاسکتی ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اسلامی تعلیمات کی جو تشریح اکابر دیوبند سے منقول ہے، بلاشبہ وہ مبنی براعتدال ہے، جس میں ان کے پاکیزہ ذوق اور فطرت سلیمہ کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

اکابر دیوبند کے علوم و معارف اور خود ان کی شخصیت کی اہمیت پر تبصرے کے لیے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا یہ اقتباس بڑا ہی چشم کشا ہے، حضرت فرماتے ہیں:

> ہمارے اکابر کے ملفوظات وتحقیقات دیکھ لو، معلوم ہوجائے گا کہ اس زمانے میں بھی رازی و غزالی موجود ہیں...... فرق صرف یہ ہے کہ ان کا (رازی وغزالی کا زمانہ اس قدر فتن اور شرور کا نہ تھا جیسا کہ اب ہے، یہ سب ان حضرات کی تصنیفات وتحقیقات دیکھنے سے معلوم ہوسکتا

ہے مگر ان کو دیکھتا کون ہے، کیونکہ مذاق ہی بگڑ گیا ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۳/۸)

عصر حاضر میں اسلام کے حوالے سے جو شکوک پیدا کیے جا رہے ہیں اور ان سے متاثر ہو کر خود مسلمانوں کے دل و دماغ میں جو شبہات و خلجانات پیدا ہو رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اکابر دیوبند کی تحریرات کی روشنی میں اس کا بھرپور دفاع کیا جا سکتا ہے اور مخلص مسلمانوں کے تردد کو دور کر کے بہت حد تک مطمئن کیا جا سکتا ہے۔

اس حوالے سے اکابر دیوبند کی تحریریں بڑی ہی مستحکم اور اقدامی نوعیت کی ہیں، جن کو پڑھ کر اسلام کی حقانیت و ابدیت اور اس حوالے سے قلبی انشراح و بصیرت کی جو کیفیت حاصل ہوتی ہے، اس کو قاری خود محسوس تو کر سکتا ہے، لیکن الفاظ و زبان کی محدود تعبیرات میں اس کا اظہار مشکل ہے۔

موجودہ دور میں اکابر دیوبند کے اس گوشے کو اجاگر کرنے کی ضرورت اس لیے زیادہ محسوس ہو رہی ہے کہ شکوک و شبہات کے دفاع کے حوالے سے جو تحریریں سامنے آ رہی ہیں، ان میں معذرت خواہانہ تاویلات، مرعوب کن ذہنیت، مروجہ علمی تحقیقات کا رعب اور رائج نظریات کا دباؤ محسوس کیا جا سکتا ہے، چنانچہ یہ جملہ کثرت سے پڑھنے اور سننے کو ملتا ہے کہ اسلام کو موجودہ تمدن کے مطابق کر دینا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے، حالانکہ یہ جملہ مرعوب اور شکست خوردہ ذہنیت کا اثر ہے، جب کہ اکابر دیوبند کی تحریریں اقدامی نوعیت کی نظر آتی ہیں، جن سے مذہب اسلام کی ابدیت اور بالادستی اپنی واقعیت کے ساتھ موثر طریقے پر ظاہر ہوتی ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ؛ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصانیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

> طالبان حقائق اور حامیان اسلام کی خدمت میں ہماری یہ درخواست ہے کہ تائید احکام اسلام اور مدافعت فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کے لیے جو تدبیریں کی جاتی ہیں، ان کو بجائے خود رکھ کر حضرت خاتم العلماء کے رسائل کے مطالعہ میں بھی کچھ وقت ضرور صرف فرمائیں اور پورے غور سے کام لیں اور انصاف سے دیکھیں کہ ضروریاتِ موجودہ زمانہ حال کے لیے وہ سب تدابیر سے فائق اور مختصر اور بہتر اور مفید تر ہیں یا نہیں؟ (حجۃ الاسلام: ۱۷، ۱۶)

اختصار کے پیش نظر یہاں بندہ عصر حاضر میں موضوعِ بحث ایک اہم مسئلہ سے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا صرف ایک اقتباس نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہے، قارئین سے گذارش ہے کہ اس اقتباس کو بغور پڑھیں اور اندازہ کریں کہ اکابر دیوبند دین و شریعت کے حوالے سے کیا مزاج رکھتے تھے اور

ان کو کس درجے کی خود اعتمادی اور مسلک میں تصلب حاصل تھا۔

ایک سائل نے پردے کے مسئلے کے بارے میں حضرت تھانویؒ کو غور وفکر کی دعوت پیش کی تھی، جس کا حضرت نے مفصل جواب لکھا تھا، اس کا ابتدائی اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

عزیزمن!

اس وقت بنظر تحقیق کسی امر میں غور کرنے کے لیے دو شرط کی ضرورت ہے:

اولاً وہ امر دقیق اور نظری ہو؛ کیوں کہ اگر بدیہی اور واضح ہے تو غور محض بے کار ہے۔ ثانیاً ہم لوگوں سے پہلے ہم سے بڑے درجہ کے لوگوں نے جو قوت علمیہ وتائید من اللہ اور طلب صادق ونظر غائر وفکرِ صائب اور حبِ دین اور سلاست طبع اور منصف مزاجی اور خوفِ خدا اور اتباعِ حق اور مجاہدہ نفس ومخالفتِ ہویٰ وحریت خالصہ وغیرہا صفاتِ جمیلہ کاملہ میں ہم سے ہزار ہا درجہ بڑھے ہوئے تھے، اس امر میں تحقیق اور کلام نہ کیا ہو، اور کلام کر کے فیصلہ اور طے نہ کر دیا ہو؛ کیوں کہ اگر اس درجہ کے لوگوں نے کوئی امر ثابت کر دیا ہے، ظاہر ہے کہ وہ امر نہایت درجہ منقح ومحقق ہوگا۔ اس میں فکر کرنا ایسا ہے جیسا عام رعایا قوانین مروجہ پارلیمنٹ میں نظر ثانی کرنے لگے اور اتباع واطاعت کو اپنی نظر کی رسائی پر موقوف رکھے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ ایک گونہ بغاوت کا شعبہ سمجھا جائے گا۔

اب ہم پردہ کے مسئلہ کو جو دیکھتے ہیں اس میں یہ دونوں شرطیں مفقود پاتے ہیں؛ کیوں کہ یہ مسئلہ اولاً نہایت بدیہی ہے؛ چناں چہ عنقریب آیات واحادیث کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا۔ ثانیاً اس درجہ کے لوگ جو کہ باجماع امت مرحومہ (جس کا مرتبہ اور قوت کثرت آراء سے ہزار ہا درجہ زیادہ ہے) مقتدائے ملت اور پیشوائے شریعت مسلّم ہو چکے ہیں، اس کو طے اور ختم کر چکے ہیں؛ البتہ اتنی خدمت کے لیے حامیانِ دین اور خادمانِ مذہب ہمیشہ تیار اور آمادہ ہیں کہ اگر کسی طے شدہ مسئلہ میں خواہ وہ منصوص ہو یا اجماعی اور علی سبیل الترقی، خواہ اجتہادی ہو مخالف کو اعتراض یا کسی موافق کو شبہ اور خلجان ہو، بشرطیکہ اصول صحیحہ کے موافق اس کو پیش کیا جائے اور انصاف اور کسی خاص جماعت کی تقلید یا کسی خاص غرض کی اتباع سے آزادی کے ساتھ اس کا جواب سننے اور سمجھنے کا وعدہ کیا جائے تو کسی وقت یہ حامیان مذہب جواب دینے

سے اور اس جواب کے جواب الجواب دینے سے عذر یا انکار کرنا نہیں چاہتے ؛ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا کوئی ذمہ دار نہیں کہ دوسرے شخص کو ہدایت بھی ہو جائے ؛ کیوں کہ یہ امر مجیب یا مصلح کے اختیار سے خارج ہے، ورنہ آج ساری دنیا ایک طریقہ پر نظر آتی۔

حضرت تھانوی اقتباس کے آخر میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مضمون جو تمہید کے متعلق ہے خصوصیت کے ساتھ باوجود سلیس ہونے کے بہت ہی غور کے قابل ہے''۔

اس اقتباس کے لفظ لفظ سے مسلک کے حوالے سے تصلب وخود اعتمادی ظاہر ہو رہی ہے۔

موجودہ احوال میں سخت ضرورت ہے کہ اکابر دار العلوم کی تصنیفات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے، تاکہ دین وشریعت کے سلسلے میں ہم کو ہر طرح کا اطمینان وانشراح حاصل ہو اور ہم دین اسلام کی ترجمانی کے لیے صحیح تعبیر استعمال کر سکیں اور عصر حاضر میں رائج غلط افکار وشبہات کا ہی اصولوں کی روشنی میں دفاع کر سکیں اور نہ صرف دفاع بلکہ اقدامی طور پر وقت کے فکر مستوی کے مطابق اسلامی احکام کو پیش کر سکیں۔

آخر میں ایک اقتباس اور پیش کر کے اجازت چاہوں گا:

ایک سلسلہ مضمون پر حکیم الامت نے فرمایا کہ ایک ڈپٹی کلکٹر یہاں آئے تھے، مجھ سے سوال کیا کہ آپ کا سود کے متعلق کیا خیال ہے؟ یہ سوال کا طرز بھی آج کل کے لوگوں کا ہے کہ آپ کا کیا خیال ہے، میں نے کہا کہ میرا کیا خیال ہوتا، میں تو مسلمان آدمی ہوں، مذہبی آدمی ہوں، اللہ ورسول کا جو علم ہے، وہی خیال ہے، وہ یہ ہے کہ حق تعالی فرماتے ہیں: ''اَحَلَ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا'' (اللہ تعالی نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام کر دیا ہے) کہنے لگے کہ فلاں صاحب دہلوی اس آیت کی اور تفسیر کرتے ہیں، میں نے کہا اگر ان کی تفسیر معتبر ہے تو وہ قانون جس سے آپ فیصلہ کرتے ہیں مجھ کو دیجیے میں اس کی شرح لکھوں گا، پھر آپ اس شرح کے موافق فیصلہ کیا کیجیے جو یقیناً قانون کے خلاف ہوں گے، پھر جب آپ پر گورنمنٹ اعتراض کرے (تو) یہ کہہ دیجیے کہ یہ فیصلہ فلاں شخص کی شرح کے مطابق ہے جو لکھا پڑھا ہے، اس پر جو جواب آپ کو گورنمنٹ کی طرف سے ملے گا وہی جواب میری طرف سے ہے اور جن کا آپ نام لے رہے ہیں وہ کیا جانیں کہ تفسیر کسے کہتے ہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت/الافاضات الیومیہ ۴/ ۲۹۴)

ردبدعات ورسومات

''جہیز'' کا طوفان بلاخیز اور امت مسلمہ

از قلم: مفتی عبدالرزاق بنگلوری

دور موجود میں مسلم سماج جس دہانے پر کھڑا ہے، وہ بد سے بدتر ہے، اس کی ایک اہم وجہ نکاح کو مشکل بنانا ہے، نکاح اس لئے مشکل بن گیا کہ اس کو عبادت کے بجائے زمانہ اور سماج کے رسم ورواج کا درجہ دیا گیا ہے، اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو چیز اپنی اصل حقیقت وحیثیت سے الگ ہوکر رسم و رواج کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو رسم ورواج کی تمام خرابیاں اور تباہ کاریاں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں، چنانچہ نکاح عبادت کے دائرے سے ہٹ کر رسم ورواج کی بے راہ روی کو اختیار کرنے کے بعد جہیز جیسی لعنت کو اس میں اہم اور مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی، مسلم معاشرے میں اس لعنت کے داخل ہونے کی بعد نکاح کا جائز اور آسان راستہ انتہائی مشکل بن گیا، اور اسلام نے نکاح کو جتنا آسان اور سادہ بنایا تھا سماج کے رسم ورواج نے اس کو اتنا ہی مشکل اور پیچیدہ بنا دیا کہ آج ایک معمولی اور متوسط درجے کا آدمی بھی اگر اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہے تو اسے لاکھوں کی بجٹ کی ضرورت ہے، مغربی کلچر اور غیر اسلامی رسوم کو اختیار کرنے کی بنا پر نکاح کا آسان طریقہ مشکل ہونے سے جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے بدکاری بداخلاقی اور بے حیائی کا راستہ اپنایا جا رہا ہے، لو میرج اور کورٹ میرج کے شرمناک واقعات رونما ہونے لگے ہیں، جنسی تسکین کے لئے عیاشی اور جسم فروشی کے اڈوں پر ملت کی بیٹیاں والدین کو رسوائی کا آئینہ دکھاتے ہوئے نظر آنے لگی ہیں، غور کرنے کا مقام ہے کہ آج ساری دنیا جہیز کی لعنت میں گرفتار ہوکر نوجوان لڑکیوں کی زندگی کو کھلواڑ بنا رہی ہے، اور کتنی دوشیزاؤں کی تمناؤں کا خون کیا جا رہا ہے؟ کتنے والدین کی آرزوؤں اور امیدوں کا گلا گھونٹا جا رہا ہے؟ ہزاروں نوجوان اور بن بیاہی لڑکیاں آج بھی گھروں میں بیٹھی اپنے مقدر کو ترس رہی ہیں، اور نئی نویلی دلہنوں کو طلاق کی دھمکی دی جا رہی ہے۔

تہذیب یا خرافات

غیر مسلموں کی جن بیہودہ رسموں نے ہمارے معاشرے میں جگہ پکڑی ہے ان میں ایک حد درجہ گھٹیا رسم جہیز ہے، جو ہمارے معاشرے کا ناسور ہے، جس میں نہایت بے غیرتی، بے شرمی اور بے حیائی کا مظاہرہ

کیا جاتا ہے، اور کار، موٹر سائیکل اور دیگر دنیاوی ساز و سامان وغیرہ کی فرمائشوں کی تکمیل پر رشتے کو موقوف رکھا جاتا ہے، اس غیر انسانی اور نا معقول رواج نے آج سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسلم بچیوں اور جوان لڑکیوں کو گھروں میں بنا شادی گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے، کتنے غریب ماں باپ ہیں جن کی راتوں کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں؟ جو رشتے کی تلاش میں ساری دنیا گھوم رہے ہیں؛ حالانکہ ان کی زندگی کا سکون ہمارے نوجوان لڑکوں نے چھین رکھا ہے، آج دنیا میں جہیز کی لالچ، طمع اور کمینہ پن سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں ہوسکتی، حالانکہ اس رسم و رواج کا دین و شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ

" مَنْ تَزَوَّجَ إِمْرَأَةً لِعِزِّهَا لَمْ يَزِدْهُ إِلَّا ذُلًّا،وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِمَالِهَا لَمْ يَزِدْهُ الله اِلَّا فَقْرًا، وَمَنْ تَزَوَّجَهَا لِحُسْنِهَا لَمْ يَزِدْهُ الله اِلَّا دَنَائَةً، وَ مَنْ تَزَوَّجَ إِمْرَأَةً لَمْ يُزَوِّجْهَا اِلَّا لِيَغُضَّ بَصرَهُ اَوْ لِيُحْصِنَ فَرْجَهُ اَوْ يَصِلَ رَحِمَهُ بَارَكَ اللهُ فِيهَا وَ بَارَكَ لَهَا فِيه. (مجمع الزوائد، ۴/ ۲۰۴)

''جو شخص کسی عورت سے محض اس کی عزت کی وجہ سے شادی کرے تو اللہ تعالی اس شوہر کو ذلت میں ڈالدیں گے، اور جو شخص عورت کی محض مالداری کی بنیاد پر اس سے نکاح کرے تو اللہ تعالی اس شخص کو فقر و فاقہ میں مبتلا کر دے گا، اور جو شخص کسی عورت سے محض اس کے حسن و جمال کی وجہ سے نکاح کرے تو اللہ تعالی رسوائی اس کے مقدر کر دیں گے، اور جو شخص کسی عورت سے اپنی نگاہ کو پست رکھنے اور شرمگاہ کو حرام سے بچانے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی غرض سے نکاح کرے گا تو اللہ تعالی شوہر کیلئے بیوی میں اور بیوی کے لئے شوہر میں برکت عطا فرمائیں گے''۔

اس روایت سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کے نکاح کرنے میں دین کو مقدم رکھا جائے، اور اس کے ضمن میں حسن و جمال، حسب و نسب، مال و دولت کو رکھا جائے جیسا کہ ایک دوسری روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِارْبَعٍ لِمَالِهَا وَ لِحَسَبِهَا وَ لِجَمَا لِهَا وَ لِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنُ تَرِبَتْ يَدَاكَ (بخاری شریف، کتاب النکاح)

کسی بھی عورت سے نکاح کرنے میں چار باتوں کا لحاظ رکھنا اولی، مستحب اور مستحسن ہے:

(۱) مال کے اعتبار سے

(۲) حسب ونسب کے اعتبار سے

(۳) حسن و جمال کے اعتبار سے

(۴) دینداری کے اعتبار سے

مگران چاروں چیزوں میں دین داری کو ترجیح دی جائے گی، مال کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے جہیز کا مطالبہ کیا جائے، بلکہ شوہر کی عدم موجودگی میں بیوی اپنے نان ونفقہ کے علاوہ اس کے مال کی حفاظت امانتداری کے ساتھ کر سکے، حسب ونسب کی توضیح یہ ہے کہ شوہر کا ذہن کسی اونچی حسب ونسب والی عورت کی طرف منتقل نہ ہو، اور حسن و جمال کی وضاحت یہ ہے کہ شوہر کی نگاہ محفوظ رہے، مگران تمام چیزوں میں ترجیح تو دینداری کو ہی حاصل ہوگی۔

حرف آخر

نکاح انسانی زندگی کا انقلابی اور تاریخی موڑ ہوتا ہے، اور اس موڑ پر جتنی اللہ کے رضا جوئی کی جائے اتنا ہی بعد کی زندگی میں محبت بڑھتی جائے گی، اور جتنا جہیز کی خرافات نکاح میں کروگے آپس میں اتنی ہی دوریاں اور نفرتیں پیدا ہوتی رہیں گی، اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جو بھی عبادت خرافات میں بدل جائے گی اس میں بے برکتی اور آپس میں دل شکنیاں ہوتی رہیں گی، کیونکہ اللہ کی مدد دین کے ساتھ مختص ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے آپس میں ناگواری اور تلخی تو ضرور ہوگی، یہ پہلو تو میں بہت احتیاط کے ساتھ تحریر کر رہا ہوں ورنہ تو آج جتنے طلاق وخلع کے حادثات پیش آرہے ہیں، وہ انہیں منحوس خرافات کا نتیجہ ہیں، اور یہ کار معصیت جو خصوصا نکاح کا جزولاینفک بنا ہوا ہے، یہ ایسی واہیات اور خلاف شرع چیزیں ہرگز کسی صاحب ایمان کو زیب نہیں دیتیں، اس سے دور رہنا اور دوسروں کو دور رہنے کی تلقین کرنا بے حد ضروری ہے، اور ساتھ میں ان برائیوں کے سد باب کے لیے اجتماعی طور پر اور سماجی تحریک کے انداز میں مسلسل کام کرنا ضروری ہے، اللہ تعالی ہم سب کو اس طرح کے نت نئے تمام خرافات سے بچائے۔

(آمین)

اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

نائب ناظم امارت شرعیہ پٹنہ

آج جبکہ پوری دنیا میں تعلیم نے صنعت وتجارت کی حیثیت حاصل کر لی ہے، مدارس اسلامیہ متوسط اور غریب خاندانوں کی تعلیم کا واحد ذریعہ ہیں، یہاں لیا نہیں؛ بلکہ سب کچھ دیا جاتا ہے، تعلیم بھی، تربیت بھی، کتابیں بھی، خوراک بھی، رہائش بھی، کپڑے بھی، سب کچھ مفت، مدرسوں کے پاس کوئی مستقل ذریعۂ آمدنی نہیں، یہاں کا بجٹ آمدنی کے بعد نہیں بنتا؛ بلکہ اللہ کے فضل اور اہل خیر کے ذریعہ دی جانے والی رقم کی موہوم امید اور توقعات پر بنا کرتا ہے، یہاں کے اساتذہ معمولی تنخواہوں پر کام کرتے ہیں اور صرف یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی صلاحیتیں فروخت نہیں کرتے، دنیاوی اجرت کا تصور نہیں رکھتے؛ بلکہ اجر خداوندی کی امید پر کام کرتے ہیں، ان کی امیدیں اللہ سے لگی ہوتی ہیں، ان کے مقاصد جلیل اور آرزوئیں قلیل ہوتی ہیں، رمضان المبارک اور دوسرے موقع سے یہ اہل خیر سے رابطہ کرتے ہیں، چھوٹی بڑی رقمیں وصول کرلاتے ہیں، جس سے مدارس اسلامیہ کا یہ سارا نظام چلا کرتا ہے، امیر شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے تعلیمی نظام کو خیرات، زکوٰۃ پر منحصر نہیں کرنا چاہئے، اپنی اصل آمدنی میں سے بھی اس کام کے لئے نکالنا چاہیے؛ لیکن واقعہ یہی ہے کہ عطیات کی مختصر رقم کو چھوڑ کر اب تک مدارس اسلامیہ کا سارا تعلیمی نظام مسلمانوں کے خیرات زکوٰۃ پر ہی منحصر ہے۔

امسال کورونا وائرس کی دہشت، لاک ڈاؤن کی وحشت، آمدورفت کے وسائل کے مسدود اور گھروں سے نکلنے پر پابندی کی وجہ سے مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں اور محصلین کا رابطہ اہل خیر حضرات سے نہیں ہوسکا، مدارس اسلامیہ اور ذمہ داران نے آن لائن رقومات بھیجنے کی اپیل کی، اخبارات میں اشتہارات دیئے؛ لیکن کم لوگوں نے اسے درخور اعتنا سمجھا، جو لوگ اپنے سارے کام "کیش لیس سسٹم" سے کیا کرتے تھے، ان کے لئے یہ چنداں دشوار نہیں تھا، پے ٹی ایم، اور کریڈٹ کارڈ سے لاک ڈاؤن میں بجلی بل اور دوسرے سرکاری ٹیکس ادا کئے جاتے رہے؛ لیکن اللہ کی مقرر کردہ زکوٰۃ کے بارے میں لوگوں کی حساسیت کم رہی، بڑے اداروں کی طرف کچھ توجہ ہوئی؛ لیکن گاؤں اور دیہات میں واقع چھوٹے چھوٹے مدارس کی طرف توجہ اس قدر کم ہوئی کہ اب ان کا جاری رکھنا دشوار معلوم ہوتا ہے، اساتذہ کی کئی کئی ماہ کی تنخواہیں باقی ہیں اور وصولی صفر ہے، ایسے میں یہ ادارے انتہائی پریشان

کن دور سے گذر رہے ہیں، چھوٹے مدارس کی اہمیت کم نہیں ہے، یہ مسلم سماج میں اسلامی تعلیم و تربیت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے فروغ کے لئے''لائف لائن'' کی حیثیت رکھتے ہیں، مسلم سماج کے جسم و جان میں اسلامی حمیت و غیرت اور دینی تعلیم و تربیت کا جو خون گردش کرتا ہے، وہ سب انہیں مدارس اسلامیہ کی دین ہے، بنیادی دینی تعلیم جس کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے، اس کی تکمیل ان اداروں کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اکابر علماء نے اس کی ضرورت و اہمیت بیان کر کے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:''اس میں ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت مدارس علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لئے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق (بڑھ کر) متصور نہیں، دنیا میں اگر اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں''۔ (حقوق العلم:۱۵)

حضرت مولانا مناظر حسن گیلانیؒ کی رائے ہے کہ''یہی کھفی مدارس تھے، جنہوں نے مسلمانوں کے ایک طبقہ کو خواہ ان کی تعداد جتنی بھی کم ہے، اعتقادی اور اخلاقی گندگیوں سے پاک رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے''۔

(الفرقان، افادات گیلانی)

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا:''مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں، مدرسہ عالم اسلام کا وہ بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہے جہاں سے اسلامی آبادی؛ بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے، جہاں قلب و نگاہ اور ذہن و دماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے''۔ (پاجا سراغ زندگی:۹۰)

حضرت امیر شریعت مولانا محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم کا ارشاد ہے:''مدرسہ آپ کے دین و ایمان کی جگہ ہے، یہ آپ کی دنیا و آخرت ہے، مدارس اسلامیہ کو تقویت پہونچائی جائے، دین اسلام کی بقاء انہیں مدارس اسلامیہ کے استحکام سے ہے، علماء اور مدرسوں پر غلط تبصرہ کرنے سے گریز کریں۔ (مدرسہ رحمانیہ سپول کے اجلاس سے خطاب)

آپ نے مدارس اسلامیہ کے سلسلے میں اکابر کے ارشادات و افادات کا مطالعہ کر لیا ایسے میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ان اداروں کی فکر کریں اور موجودہ پریشان کن حالات سے نکالنے میں ان کی مدد کریں۔ لاک ڈاؤن چار کے اختتام کے بعد آمد و رفت کی سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں؛ گو مدارس اسلامیہ شاید اب بقرعید بعد ہی کھل سکیں گے، داخلہ بھی ابھی ممکن نہیں ہیں؛ لیکن اساتذہ کو ہٹایا تو نہیں جا سکتا، ان کی تنخواہیں تو ملنی چاہیے، ان کے بچوں کی فکر بھی ضروری ہے، لاک ڈاؤن میں وہ بھی پریشان کن دور سے گذر رہے ہیں، امارت شرعیہ نے حضرت امیر شریعت مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم کے حکم پر ائمہ مساجد اور علماء کے درمیان بھی راحت رسانی کا کام کیا

اوراس حیثیت سے بھی اس کی خدمات قابل قدر رہی ہیں؛لیکن ایک ادارہ تمام علماء،ائمہ مساجد اور اساتذہ کی ضرورتوں کو پوری نہیں کرسکتا ہے،اس لئے اہل خیر حضرات کوعطیات کی رقم سے اپنے اپنے علاقوں میں علماء، ائمہ مساجد،مؤذنین اورمدارس کے اساتذہ کے لئے دستِ تعاون دراز کرنا چاہیے،ان کی عزتِ نفس کوٹھیس نہ پہونچے، اس کے لئے یہ بھی کرسکتے ہیں کہ یہ رقومات مدارس اورمساجد کے ذمہ داروں کو بمد تنخواہ دے دی جائیں،اور ذمہ داران،اساتذہ،ائمہ اورمؤذنین کی تنخواہیں ادا کریں،اس طرح ان کا بھی کام چل جائے گا اورادارے اساتذہ کے مقروض نہیں رہیں گے،اس موقع سے یہ بدگمانی بالکل نہ پھیلائی جائے کہ مہتمم صاحبان رکھ لیں گے،سوشل میڈیا پر اس قسم کے بیانات لوگ دیتے رہتے ہیں،اس سے بدگمانی کا دروازہ کھلا ہے،یقیناً کچھ مہتمم اورمتولی صاحبان ایسا کرتے ہوں گے؛لیکن عمومی احوال ایسے نہیں ہیں، ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم اکادکا واقعات کوکلیہ بنا کر پیش کرتے ہیں،علمی اصطلاح میں کہیں تو کہا جاسکتا ہے کہ قیاس استثنائی کو قیاس استقرائی کا درجہ دینا ہماری فطرت بن گئی ہے، یہ ٹھیک ہے کہ پوری دیگ کے چاول کے پکنے کا اندازہ دوچار دانوں کومسل کرلگایا جاسکتا ہے؛لیکن روٹی میں یہ فارمولہ نہیں چلے گا،تمام روٹی کے کچی اور پکی ہونے کی بات ایک روٹی کودیکھ کرنہیں کہی جاسکتی۔

دوسرا بڑا مسئلہ دارالاقامہ میں مقیم طلبہ کے نان ونفقہ اور کھانے پینے کا ہے، امراء اور صاحب استطاعت لوگوں کی خیرات وزکوٰۃ کی رقم سے یہ اخراجات پورے کئے جاتے رہے ہیں؛لیکن اس بارلاک ڈاؤن کی وجہ سے یہ کام ہو ہی نہیں سکا،اس کا حل یہ ہے کہ اب جب کہ ''لاک ڈاؤن'' کو ''اَن لاک'' کرنے کا آغاز ہوچکا ہے،حسب سہولت اہل خیر حضرات سے رابطہ کا کام شروع کیا جائے یقیناًلاک ڈاؤن نے معاشی طور پران کی کمرتوڑ دی ہے؛لیکن زکوٰۃ توان پراس مال میں فرض ہے؛جو پہلے سے ان کے پاس جمع ہے،اہل خیر حضرات مدارس کی ضرورتوں کو سمجھتے ہیں اور ہمارا احساس ہے کہ امت ابھی بانجھ نہیں ہوئی ہے،اس لئے بدگمانی چھوڑیئے،مدارس کوان پریشان کن حالات؛ بلکہ ''عالم نزع'' سے نکالنے کے لئے آگے آیئے،اس لئے کہ اگر یہ مدارس نہیں رہے تو کیا ہوگا،وہ علامہ اقبال سے سنئے فرماتے ہیں:

''اگر ہندوستان کے مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اورالحمراء اور باب الاخوتین کے سوا اسلام کے پیروؤں اوراسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش ہی نہیں ملتا ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اوران کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا'' (اوراق گم گشتہ از رحیم بخش شاہین)

صحت وفراغت؛ دو عظیم نعمتیں

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

حق تعالی نے انسان کو مختلف نعمتوں سے نوازا، ان گنت صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا اور بے شمار قوتیں عطا فرمائی۔ ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا: اگر تم میری نعمتوں کو شمار کرنا چاہو، زبان کے ذریعہ انہیں بیان کرنا چاہو، قلم کی مدد سے ان کا احاطہ کرنا چاہو، تو نہیں کرسکتے۔ (النحل) مگر ان تمام نعمتوں میں دو نعمتیں ایسی ہیں؛ جن کے بارے میں سرکار دوعالم ﷺ نے عام لوگوں کے خسارہ اٹھانے کی پیشین گوئی فرمائی ہے: ایک تو صحت وتندرستی کی نعمت اور دوسری فرصت و فارغ البالی کی نعمت۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (متوفی ۲۵۶ھ) نے اپنی صحیح میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس روایت کو نقل فرمایا ہے، سرکار دوعالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں، صحت اور فراغت۔

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الصحۃ والفراغ)

مشکوۃ شریف کے سب سے پہلے شارح ''علامہ شرف الدین ابوعبداللہ حسین الطیبیؒ (متوفی ۷۴۳ھ) حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مکلّف انسان کو ایسے تاجر کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے پاس بنیادی سرمایہ ہوتا ہے اور وہ اُس کو سلامت رکھنے کے ساتھ اُس پر نفع بھی کماتا ہے۔ ایسے تاجر کا طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ جس سے معاملہ کرتا ہے پورے غور وفکر سے کام لیتا ہے اور اپنے معاملات میں سچائی اور مہارت کو لازم پکڑتا ہے تاکہ اُس کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ پس صحت اور فراغت تو انسان کا اصل سرمایہ ہیں اور اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان، نفس کے خلاف کوشش اور دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد کے ذریعے معاملہ کرے؛ تاکہ وہ دنیا وآخرت کی بھلائی، نفع کے طور پر حاصل کرلے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مبارک کا بھی قریب قریب یہی مطلب ہے: ''هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ'' (کیا میں تمہیں ایسی تجارت کے بارے میں نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے) (الصّف) انسان پر لازم ہے کہ وہ نفس کی پیروی سے بچے اور شیطان سے معاملہ کرنے سے پرہیز کرے تاکہ اُس کا بنیادی سرمایہ اور نفع دونوں برباد ہونے سے محفوظ رہیں۔ (الکاشف عن حقائق السنن)

ایک اور روایت جو اس سے زیادہ واضح ہے اور جس میں مزید کچھ نعمتوں کا اضافہ ہے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن انسان کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہ

سکیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے۔عمر کن کاموں میں گنوائی؟ جوانی کی توانائی کہاں صرف کی؟ مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ جو علم حاصل کیا اس پر کہاں تک عمل کیا؟

(ترمذی، باب صفۃ القیامۃ)

جیسا کہ ہم سب واقف ہیں کہ ان دنوں نہ صرف وطن عزیز؛ بل کہ دنیا بھر میں کرونا وائرس کے سبب ہزاروں افراد موت کا لقمۂ تر بن چکے ہیں، لاکھوں انسان اس وبا سے بری طرح متاثر ہیں اور اربوں لوگ ایسے ہیں جو مسلسل خوف و دہشت میں مبتلا ہیں۔اس وبائی بیماری سے حفاظت کے لیے بھارت سمیت مختلف ممالک میں کہیں ایک ماہ اور کہیں بیس دن کے لیے لاک ڈاؤن (مکمل بند) کا اعلان ہوچکا ہے، نیز حالات کی سنگینی کے پیش نظر اعلان کردہ مدت میں توسیع کا امکان بھی ہے؛ جس کے سبب سارے بازار بند ہیں، کاروبار ٹھپ ہیں، تجارتیں سرد ہیں اور انسان گھروں میں محصور ہیں۔فرصت کے ان لمحات میں ہمیں مذکورہ فرمان نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات پر سنجیدہ غور کرنا چاہیے کہ ہم نعمتِ صحت و فراغت کی کتنی قدر کررہے ہیں اور کتنی ناقدری؟

وقت کی قدر و قیمت اور ہمارا معاشرہ:

پچھلے ایک ڈیڑھ ہفتے سے بند کے عمومی ماحول کے باوجود نوجوانوں کی بڑی اکثریت شہر میں گھومنے پھرنے، قریب جاجا کر پولس کو تنگ کرنے اور سوشل میڈیا پر اپنا وقت ضائع کرنے میں مصروف نظر آرہی ہے، حال آں کہ یہ قیمتی وقت پڑھائی لکھائی اور دیگر اہم خدمات (خانگی امور میں گھر والوں کی معاونت، بیواؤں اور محتاجوں کی امداد وغیرہ) کی انجام دہی کے ذریعہ کار آمد بنایا جاسکتا ہے۔اس حقیقت سے مجال انکار نہیں کہ جہاں وقت کا صحیح استعمال قوم مسلم کے تابناک ماضی کا بنیادی سبب تھا، وہیں وقت کا بے دریغ ضیاع ہمارے تاریک مستقبل کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔فارغ البالی سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے خواص و عوام درج ذیل دو واقعات ملاحظہ کریں اور وقت کی قدر و منزلت سمجھنے کی کوشش کریں!

۱) امام ابن ابی حاتم الرازیؒ (المتوفی ۳۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ ہم نے تحصیل علم کے لیے مصر میں سات ماہ قیام کیا اور اس دوران ہم نے کبھی سالن نہیں کھایا۔(صرف روٹی پر گزارا کیا) کیونکہ ہمارا پورا دن اساتذہ و مشائخ کی مجالس کے لیے وقف تھا۔رات کو ہم اسباق لکھتے اور آپس میں اُن کا تقابل کرتے۔ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ہم ایک استاذ کے پاس گئے تو لوگوں نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں۔(ہمیں کچھ فرصت ملی) تو ہم نے اپنے راستے میں دیکھا کہ ایک بہت اچھی مچھلی فروخت ہورہی ہے۔ہم نے وہ خریدی اور گھر آ گئے۔اتنے میں ایک اور استاذ کی خدمت میں حاضری کا وقت ہوچکا تھا۔اس لیے اُس مچھلی کو صاف کرنے اور پکانے کا موقع ہی نہ مل سکا اور ہم سبق کے لیے چلے گئے۔مچھلی اسی طرح تین دن تک ہمارے آگے رکھی رہی حتی کہ خراب ہونی شروع ہوگئی۔جب ہمیں پکانے کے

لیے بالکل وقت نہیں ملا تو ہم کچی مچھلی ہی کھا گئے اور ہم نے اتنی فرصت بھی نہ پائی کہ کسی اور کو پکانے کے لیے دے دیتے۔(تذکرۃ الحفاظ)

۲) اسی طرح فقہ حنفی کے معروف عالم، امام سرخسیؒ (۴۸۳ھ) جو جلیل القدر فقہاء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ آپ بیک وقت محدث بھی تھے اور فقیہ بھی، اصولی بھی تھے اور مناظر بھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ حق گو اور بے باک داعی تھے، حکام و امراء کو ان کی غلط روش پر نصیحت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خاقان نامی حکمراں نے آپ کو کسی نصیحت کے سبب ایک کنویں میں قید کر دیا؛ مگر قید خانہ بھی آپ کو تعلیمی مشاغل سے باز نہ رکھ سکا، تلامذہ ہر روز کنویں کے پاس جمع ہو جاتے اور آپ انہیں سبق پڑھاتے، اسی حال میں آپ نے محض اپنی فکر رسا اور طبع ذکا سے مبسوط نامی کتاب کا املاء کروایا، جو فقہ حنفی کی طویل ترین کتاب ہے اور تیس جلدوں میں مطبوع ہے، اسی طرح آپ نے جیل ہی میں سیر کبیر کی شرح بھی لکھوانی شروع کی جو فقہ حنفی کی کتابوں میں قابل قدر اضافہ ثابت ہوئی۔

(موسوعہ عالمیہ)

صحت و تن درستی اور ہماری لاپرواہی:

صحت دنیا کی اُن چند نعمتوں میں شمار ہوتی ہے، یہ جب تک قائم رہتی ہے، ہمیں اس کی قدر نہیں ہوتی: مگر جوں ہی یہ ہمارا ساتھ چھوڑتی ہے' ہمیں فوراً احساس ہوتا ہے کہ یہ ہماری دیگر تمام نعمتوں سے کہیں زیادہ قیمتی تھی۔ ہم اگر کسی دن میز پر بیٹھ جائیں اور سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک صحت کا تخمینہ لگائیں تو ہمیں معلوم ہوگا ہم میں سے ہر شخص ارب پتی ہے۔ صرف آنکھ کی پلکوں کو لے لیجیے! ہماری پلکوں میں چند مسل ہوتے ہیں، یہ مسل ہماری پلکوں کو اٹھاتے اور گراتے ہیں' اگر یہ مسل جواب دے جائیں تو انسان پلکیں نہیں کھول سکتا۔ بتلایا جاتا ہے کہ دنیا میں اس مرض کا کوئی علاج نہیں، دنیا کے درجنوں امیر ترین لوگ اِس مرض میں مبتلا ہیں اور یہ صرف اپنی پلک اٹھانے کے لئے دنیا بھر کے سرجنوں اور ڈاکٹروں کو کروڑوں ڈالر دینے کے لئے تیار ہیں؛ مگر افسوس۔۔۔۔ ہمیں اس کا کوئی احساس نہیں۔

الغرض: وقت کے علاوہ صحت کے معاملے میں بھی ہمارا معاشرہ غفلت و سستی کا شکار ہے، رات دیر گئے جاگنا' مسلم محلوں کا طرۂ امتیاز بن چکا ہے، مستقل بازاری کھانے کھانا اور ہوٹلنگ کرنا مسلمانوں کی پہچان بنتا جا رہا ہے، شراب نوشی اور دیگر منشیات کا استعمال اغیار کی طرح مسلم معاشرے میں بھی عام ہے اور کسی بستی میں جا بجا گندگی و غلاظت کا ڈھیر اس بات کی علامت سمجھا جاتا ہے کہ یہاں مسلم آبادی زیادہ ہے۔ ان اضطرابی حالات میں بھی مسلمانوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جو بیماری کی سنگینی سے بے خبر گھروں سے باہر گھوم رہی ہے۔ نہ انہیں اپنی متاعِ جان عزیز ہے نہ اہل و عیال کی، ان کا مقصد صرف وقت گزاری اور کام و دہن کی لذت ہے۔ ہونا تو چاہیے کہ ہم

اسلامی تعلیمات کے علم بردار ہونے کی حیثیت سے دوسروں کو اسلام کا نظام صحت بتلائیں، توکل کے ساتھ ساتھ حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کی اہمیت اجاگر کریں اور طہارت و نظافت کے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ کی ہدایات منظر عام پر لائیں۔ غور کیا جائے تو کرونا وائرس کی یہ وبا ہم سب کے لیے تازیانۂ عبرت اور درسِ نصیحت و موعظت ہے۔

سلسلۂ سہروردیہ کے معروف بزرگ شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاؤں میں جوتے نہیں تھے اور جیب میں پیسے بھی نہیں تھے کہ جوتے خرید سکوں۔ میں کوفہ کی گلیوں میں یوں ہی برہنہ پا چلا جا رہا تھا اور دل ہی دل میں یہ کہہ رہا تھا: خدا نے میرے نصیب کتنے خراب بنائے ہیں کہ پہننے کو جوتا تک نہیں۔ اسی حالت میں چلتے چلتے کوفہ کی جامع مسجد آ گئی، وہاں ایک آدمی کو دیکھا، جس کے سرے سے پاؤں ہی نہ تھے۔ میں فوراً خدا کے حضور سجدے میں گر گیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ جوتا نہ سہی، خدا تعالیٰ نے مجھے چلنے کے لیے پاؤں تو دے رکھے ہیں۔ (گلستان سعدی)

خلاصۂ کلام:

نعمتِ صحت و فراغت کا تقاضا ہے کہ ہم سوشل میڈیا پر شکوہ شکایتوں اور غیر ضروری تبصروں میں مغز ماری کے بجائے اطمینان کے ساتھ گھروں میں سکونت پذیر ہوں، بلا ضرورت باہر نہ نکلیں، ناگزیر ضرورت ہو تو کام سے فارغ ہو کر جلد واپسی کی فکر کریں، باوضو رہنے اور صفائی ستھرائی کا معمول سے زیادہ اہتمام کرنے کی کوشش کریں، متوازن، معتدل اور صحت بخش غذاؤں کا استعمال کریں، فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کا بھی اہتمام کریں، قرآن مجید کی تلاوت کو اپنا مستقل معمول بنالیں، انفرادی و اجتماعی دعاؤں کو ہرگز فراموش نہ کریں، تہجد میں بیدار ہو کر رب العالمین کے حضور گڑگڑانے کی عادت ڈالیں اور رفتہ رفتہ اپنی زندگی میں صالح تبدیلی لانے کی کوشش کریں۔ ان شاء اللہ اس کی برکت سے رحمت حق متوجہ ہوگی پھر ہر وبا دور ہوگی، ہر آفت ٹلے گی اور ہر مصیبت ختم ہوگی۔

اخیر میں صرف ایک روایت ذکر کر کے اپنی بات مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مرتبہ صحابی رسول حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! نجات کیسے ملی گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین نصیحتیں فرمائی:

(۱) اپنی زبان کو قابو میں رکھو!

(۲) اپنے گھر میں رہو!

(۳) اپنے گناہوں پر آنسو بہایا کرو! (ترمذی)

مذکورہ بالا تین نصیحتوں پر عمل آوری کے ذریعہ جہاں ہم جہنم سے نجات پا سکتے ہیں، وہیں موجودہ بحران اور وبائی مرض سے چھٹکارا بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ ہمیں فہم سلیم اور عقل مستقیم عطا فرمائے۔ آمین

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ: حیات و کارنامے

ڈاکٹر محمد کلیم

پرنسپل مدرسہ بشارت القرآن ہردوئی

mohdkaleem31@gmail.com

مولانا رشید احمد گنگوہی تیرہویں صدی کے گوہر شہوار، علماء کے پیشوا و سردار، محدث اعظم، عظیم مجاہد، فقیہ الملت، درالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرستِ اعلیٰ تھے۔ مولانا قمر عثمانی نے آپ کا تعارف ان بلند و بالا الفاظ میں کرایا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''ارباب علم و فضل نے آپ کو قطب عالم کہا ہے، محدث کبیر کہا، مرشد کامل کہا، مجاہد جلیل کہا، امام الاتقیاء کہا تو بالکل صحیح کہا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام القاب آپ کے قامت زیبا پر بالکل راست آتے ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے طالبانِ علم دین کو حدیث وفقہ کا درس بھی دیا اور ایسے اخلاص اور کمال مہارت کے ساتھ دیا کہ علم و فضل کی ایک دنیا آباد ہوگئی، ہزاروں علماء اور فقہاء آپ کی درسگاہ سے فیضیاب ہوکر صاحب علم و فضل بن گئے، آپ نے بیعت وارشاد کی راہ سے ہزاروں لوگوں کو ہدایت وصداقت کی راہ پر لگا دیا، آپ نے خانقاہی زندگی کو آب و تاب بخشی اور ریاضت ومحنت کے ذریعہ مقام سلوک میں گامزن ہوکر اپنے تعلق مع اللہ کے رشتہ کو مضبوط کیا، آپ نے اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر ظلم وعدوان کے خلاف جہاد بھی کیا، اوراس راہ میں آنے والی پریشانیوں اور مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت بھی کیا، اور جہاد حق کے سلسلہ میں قید و بند کے مراحل سے بھی گذرے، گویا ایک مومن کامل کی طرح نہ تسبیح سے بے نیاز ہوئے اور نہ تلوار سے نظر چرائی، آپ نے ذکر وفکر کی مجلس کو بھی منور ومزین کیا اور وقت نے آواز دی تو میدان جہاد میں تیغ بکف ہوکر ظالم کے خلاف صف آراء ہوکر تیغ وسنان کا حق بھی ادا کیا، اور معرکۂ حق و باطل میں میدان کارزار کو اپنے قدموں سے سرفراز اور سرخ رو بھی فرمایا''۔[1]

امامِ ربّانی مولانا رشید احمد گنگوہی کی ولادت ٦/ ذی قعدہ ١٢٤٤ھ مطابق ١٨٢٩ء بروز پیر قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں ہوئی، آپ انصاری ایوبی خاندان سے ہیں، آپ کی پیدائش گنگوہ کے مشہور بزرگ شیخ عبدالقدوس

گنگوہی کے مزارِ مبارک کے چند قدم پر آپ کے آبائی مکان میں ہوئی۔

دادی کی طرف سے آپ کا نسب گیارہ واسطوں سے شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے جا ملتا ہے، آپ کے والد ماجد کا نام مولانا ہدایت احمد تھا جو ایک جید عالم اور شاہ غلام علی مجددی نقشبندی کے خلیفہ اور مجاز تھے۔ مولانا رشید احمد بچپن ہی سے بیکار باتوں، لایعنی حرکتوں اور فضول کھیل کود سے دور رہتے تھے۔ آپ بچپن ہی سے سلیم الطبع اور شیدائی سنت تھے۔ آپ کی تعلیم کی ابتداء وطن ہی میں ہوئی آپ کے ایک ماموں مولوی محمد تقی کرنال میں ملازمت کرتے تھے وہ حضرت گنگوہی کو کرنال لے گئے اور آپ کو خود ہی فارسی پڑھانی شروع کردی کچھ فارسی کی کتابیں مولوی محمد غوث صاحب سے پڑھیں، فارسی سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو عربی کا شوق ہوا تو ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں مولوی محمد بخش رامپوری سے پڑھیں اور انہی کی تحریک وترغیب پر اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۲۶۱ھ میں دہلی تشریف لے گئے، ہندوستان کا دار الخلافہ شہر دہلی اس زمانہ میں معدن العلم والمال تھا۔ حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ کے لگائے ہوئے درخت اپنی بہار پر تھے۔ خاندان ولی اللہی کے فیض یافتہ لوگوں میں شیخ عبدالغنی مجددی موجود تھے؛ جن سے درس حدیث کی مجلس کی آبرو باقی تھی، دہلی جاکر عربی کالج میں داخل ہوکر مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے تعلیم حاصل کی دہلی میں نہایت قلیل مدت میں آپ نے علم ومعرفت کا بڑا حصہ حاصل کرلیا، دہلی میں آپ کی تعلیم اور اسکے سلسلے میں کی گئی محنت اور لگن کے بارے میں مولانا محمد اسلم شیخوپوری لکھتے ہیں:

> ''آپ کی دہلی میں تعلیمی مدت تقریباً چار سال بنتی ہے اس مدت کو ملاحظہ کیجئے اور پھر آپ کے مبلغ علم اور استعداد کو دیکھئے کہ جس کا مخالفین بھی اعتراف کرتے ہیں؛ دونوں طرف کو دیکھ کر نہایت تعجب ہوتا ہے کہ علم کا اتنا سمندر آپ نے اس تھوڑی مدت میں کیسے پی لیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ بہت ذہین، ذکی اور فطین تھے، شب وروز کے چوبیس گھنٹوں میں بمشکل کھانے سونے اور دیگر ضروریات میں سات آٹھ گھنٹے صرف کرتے ہوں گے، باقی وقت مطالعہ وکتب بینی میں صرف ہوتا تھا اور مطالعہ میں آپ اس قدر منہمک ہوتے کہ پاس پڑا ہوا کھانا کوئی دوست اٹھا لے جاتا مگر آپ کو خبر نہ ہوتی، بارہا ایسا ہوا کہ مطالعہ کرتے کرتے سو گئے، صبح اٹھے تو معلوم ہوا کہ کھانا شام کا اسی طرح پڑا ہے، رات کھایا نہیں ہے، مدرسہ کو آتے جاتے ادھر ادھر کبھی نہ دیکھتے''۔[۲]

مولانا مملوک علی صاحب کے علاوہ مفتی صدرالدین اور قاضی احمدالدین پنجابی کے حلقۂ درس میں بھی آپ شامل رہے۔ علم حدیث کے لئے مولانا رشید احمد گنگوہی کی نگاہ انتخاب اس دور کے مشہور محدث اور صاحب درس وخاندان ولی اللہی کے فیض یافتہ شاہ عبدالغنی مجددی پر پڑی؛ اس لئے جب دوسرے علوم وفنون کی تعلیم حاصل

کر چکے تو علم حدیث کے لئے شاہ عبدالغنی مجددی کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور صحاحِ ستہ ان سے پڑھ کر سندِ حدیث حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کی خدمت میں رہ کر سلوک وارشاد کی منزلیں طے کیں، زمانہ طالب علمی میں بھی حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب علماء میں پہلے آدمی تھے جنہوں نے حاجی صاحب سے بیعت کی تھی اس کے بعد اس کثرت سے علماء بیعت ہوئے کہ اسکی مثال مشکل سے ملے گی۔ مولانا یعقوب نانوتوی صاحب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی محمد قاسم صاحب سے اسی زمانے سے ہم سبقی اور دوستی رہی ہے، آخر میں حدیث جناب شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی خدمت میں پڑھی اور اسی زمانے میں دونوں صاحبوں نے جناب قبلہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب دام ظلہٗ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا؛ انھوں نے بڑی تیز رفتاری سے سلوک کی منزلیں طے کرلیں، چنانچہ صرف ۴۰/دن کی قلیل مدت میں خلافت سے سرفراز ہوگئے، اور گنگوہ واپس آکر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حجرے کو اپنی قیام گاہ بنایا‘‘۔[۳]

آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز دورانِ طالب علمی ہی ہوگیا تھا، زمانہ طالب علمی میں اپنی کتابوں کو بڑھانے کا بھی شوق رکھتے تھے فارغ اوقات میں پڑھاتے:

’’فارغ اوقات میں پڑھاتے تاکہ حرج نہ ہو؛ چنانچہ سب سے پہلی جماعت جو آپ سے پڑھنے لگی وہ ہے جس میں ملا محمود دیوبندی بھی شریک تھے جو دارالعلوم دیوبند میں سب سے پہلے مدرس مقرر ہوئے، اور جن کے پہلے شاگرد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تھے گویا حضرت گنگوہیؒ کے پہلے شاگردوں میں سے ایک دارالعلوم دیوبند کے پہلے مدرس ہوئے‘‘۔[۴]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ نے اپنے رہنماء ومرشد حضرت حاجی امداداللہ صاحب اور دوسرے رفقاء کے ساتھ شامل ہوکر جواں مردی کا ثبوت دیا، اس سلسلہ میں قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:

’’۱۸۵۷ء میں خانقاہ قدوسی سے مردانہ وار نکل کر انگریزوں کے خلاف صف آراء ہوگئے اور اپنے مرشد حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ اور دوسرے رفقاء کے ساتھ شاملی کے معرکہ جہاد میں شامل ہوکر خوب دادِ شجاعت دی۔ جب میدان جنگ میں حضرت حافظ ضامن؛ شہید ہوکر گرے تو آپ ان کی نعش اٹھا کر قریب کی مسجد میں لے گئے اور پاس بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت شروع کردی، معرکہ شاملی کے بعد گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور ان کو

گرفتار کر کے سہارنپور کی جیل میں بھیج دیا گیا پھر وہاں سے مظفر نگر منتقل کر دیا گیا۔ چھ ماہ جیل میں گزرے۔ وہاں بہت سے قیدی آپ کے معتقد ہو گئے اور جیل خانے میں جماعت کے ساتھ نماز ہونے لگی‘‘۔۵؎

گرفتاری سے آزادی کے بعد آپ نے گنگوہ میں درس وتدریس کا سلسلہ پھر سے شروع کر دیا اسی دوران آپ نے تیسرا حج ادا کیا اور اس کے بعد ایک سال میں صحاح ستہ کے دورے کو ختم کرانے کا اہتمام کیا اور اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دیا، درسِ حدیث کا یہ سلسلہ ۱۲۶۵ھ سے ۱۳۱۴ھ تک تقریباً ۴۹ر سال چلتا رہا، اس دوران تین سو سے زائد لوگوں نے آپ سے حدیث کی تکمیل کی، آپ کے شاگردوں میں مولانا سید مومن علی، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت گنگوہی ایک ایسے محدث تھے جن میں اجتہاد واستنباط کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں جو اوصاف اور خوبیاں ایک اچھے محدث اور استاذ میں پائی جانی ضروری ہیں ان تمام سے آپ متصف تھے، آپ کے درس حدیث کی ایک خاص خوبی یہ تھی کہ حدیث سن کر اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوتا تھا، آپ صحیح معنوں میں محبّ رسول اور شیدائی سنت تھے، آپ کی تدریس میں محویت کا ایسا عالم ہوتا تھا کہ ہر شریک درس کی یہ خواہش ہوتی کہ سلسلۂ درس دراز ہو، حضرت گنگوہی کے تلامذہ میں سے ہر ایک اپنے علاقے میں مرکز ہدایت اور ایک ممتاز عالم کی حیثیت سے جانا جاتا رہا، آپ کا درسِ حدیث بہت ہی محققانہ اور عالمانہ ہوتا تھا، آپ کے درس حدیث کے سلسلے میں مولانا احمد خان پوری لکھتے ہیں:

’’آپ کی تقریر کے بعد کتب، شروح اور حواشی دیکھنے کی مطلق ضرورت نہ رہتی تھی، اور یوں خیال ہوتا تھا کہ تمام شرحوں اور تفصیلات کا خلاصہ حضرت نے سامنے کر دیا۔ صحاح میں سب سے پہلے عموماً جامع ترمذی شریف شروع کراتے تھے اور مالہ وماعلیہ کی تحقیق کے ساتھ واضح تقریریں فرما کر طلبہ کے ذہن نشین کر دیا کرتے تھے، ہر ہر حدیث کا ترجمہ اور معنیٔ مطابقی سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان فرماتے، اور نفس مطلب کو ایسا کھول دیا کرتے تھے گویا پوست اور چھلکے سے مغز اور گودے کو نکال کر سامنے رکھ دیا، اس کے بعد احادیث کا باہم یا حدیث کا کسی آیتِ قرآن سے بظاہر تعارض ہوتا تو اس کا رفع فرماتے، اور مطابقت وموافقت ظاہر فرماتے تھے، بقدر ضرورت اسماء الرجال ذکر فرماتے، رواۃ کی تحقیق اور توثیق وتضعیف کرتے تھے، اسناد میں ضروری جرح وتعدیل فرماتے، اور اس کے بعد حدیث کی باب سے مناسبت بیان کرتے تھے، باہم عبارت اور سیاق وسباق میں ارتباط مخفی ہوتا تو اس کو کھولتے، اور ایک مضمون کا دوسرے مضمون سے ربط دیتے جاتے تھے، اگر کوئی حدیث دیگر کتب کی کسی

حدیث کے بظاہر معارض ہوتی تو ان کو بھی تطبیق دیتے، اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کے نکات اور عبارت کے اشارات بھی بیان فرماتے تھے، مشکل مقامات کو متنبہ کرکے کئی کئی بار بیان فرماتے۔ ترمذی شریف کے ختم ہونے پر صحاح کی دوسری کتابیں ہوتیں، اور ان میں ترجمہ نہ ہوتا، البتہ اگر کوئی نئی حدیث آتی تو اس کا معنی ومطلب مثل سابق بیان فرماتے۔ حضرت مولانا مذہب حنفیہ کی اگرچہ مدلل مکمل ترجیح کرتے جاتے، مگر کیا مجال کہ کسی جگہ کسی دوسرے فقیہ یا امام کی ذرا سی تنقیص ہو جائے"۔[۶]

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ایک شیخ کامل بھی تھے اگر کوئی قلب صادق لے کر بیعت ہونے آتا تو اسے بیعت کر لیتے مگر شہرت کے پجاریوں اور ڈھونگیوں کو آپ اپنی خداداد فراست سے پہچان لیتے تھے اور بیعت نہیں فرماتے تھے، آپ کے مریدین میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا عبدالقادر رائے پوری، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی جیسے باکمال حضرات شامل ہیں، پچاس ہزار کے لگ بھگ دوسرے متوسلین ہیں جن میں ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں، حضرت گنگوہی نے مشرکانہ رسوم اور خلافِ شرع عقائد شیعیت اور بدعت کی تردید کے لئے بھی بھرپور توجہ فرمائی۔[۷] ۱۲۹۷ھ میں مولانا قاسم نانوتوی کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ہوئے، ۱۳۱۴ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے بھی سرپرست اعلیٰ مقرر ہوئے دارالعلوم دیوبند میں مشکل حالات پیش آئے تو آپ نے ان حالات سے دارالعلوم کو باہر نکالا، حافظ محمد احمد صاحب کو آپ نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے ایماء سے وہاں مہتمم بنایا، مولانا محمد احمد صاحب ۳۳ سال مہتمم رہے، حضرت گنگوہی کے منشاء کے مطابق دارالعلوم کو ترقی دینے میں مثالی کردار ادا کیا، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم کی سرپرستی کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی جماعتِ دیوبند کے سرخیل بن گئے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کا پایہ علمِ فقہ میں بھی نہایت بلند تھا، حضرت گنگوہی کا تفقہ درجۂ اجتہاد سے قریب تر تھا، آپ براہِ راست قرآن اور حدیث کے مطالعے سے جدید پیدا شدہ بدعت وخرافات کے خلاف مسائل استنباط فرماتے تھے اور قطعیت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے؛ اسی لئے تمام علماء حق ان مسائل کے سلسلے میں حضرت گنگوہی کی رائے کا التزام کرتے تھے اور جب ان کی رائے معلوم ہو جاتی تھی تو پورے اعتماد کے ساتھ اظہار حق اور اعلانِ حق کرتے تھے:

"حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے حضرت گنگوہیؒ کے فقہ میں مقام بلند کی بناء پر "ابوحنیفہ عصر" کا لقب دیا تھا اور وہ اپنے عہد میں اسی لقب سے معروف تھے۔ اسی طرح استاذ المکرّم امام العصر علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ جیسے بلند پایہ عالم ومحقق

جو علامہ شامیؒ کو ''فقیہہ النفس'' کا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ حضرت گنگوہی کو فقیہہ النفس'' فرمایا کرتے تھے۔ بہر حال حضرت کے مقام و مرتبہ اور علم و فضل کا کیا ٹھکانا؟'' ؎

فقہ اور تصوف میں تقریباً چودہ کتابیں تصنیف فرمائیں: آپ کی تصنیفات میں امداد السلوک، ہدایۃ الشیعہ، زبدۃ المناسک، ہدایۃ المقتدی، سبیل الرشاد اور فتاویٰ رشیدیہ ہیں۔ اس کے علاوہ لامع الدراری علیٰ جامع البخاری اور الکوکب الدرّی (تقریر ترمذی) بھی آپ کے درسی افادات کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ جسے آپ کے تلمیذ و خادمِ خاص حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ نے ضبطِ قلم کیا تھا۔ یہ سب آپ کے ایسے کارنامے ہیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔

وفات سے چندروز پہلے فجر کی سنتیں پڑھتے ہوئے حضرت کے خانقاہ میں کسی زہریلے جانور نے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان کاٹ لیا، نماز کی مشغولیت نے احساس نہ ہونے دیا، یہیں سے آپ کا مرض الموت شروع ہوا اور آہستہ آہستہ کمزوری بڑھتی گئی اور پھر ایک دن حالت متغیر ہوگئی، زندگی کے آخری ایام کے احوال اور سفرِ آخرت کی کہانی مولانا اسیر ادروی کی زبانی ملاحظہ کیجئے:

''۲۷ / جمادی الاول ۱۳۲۳ھ مطابق ۳۱ / جولائی ۱۹۰۸ء یوم دوشنبہ کو آپ بعد نماز عشاء بستر پر تشریف لے گئے، خدام پاؤں دابنے لگے کہ لرزہ شروع ہوگیا، پھر اس کے بعد تیز بخار ہوگیا، یہ تپ لرزہ تھا، کچھ دیر کے بعد جاڑے کی شدت میں کمی آ گئی مگر حرارت ۱۰۴ ڈگری پر تھی، پورا دن بخار کی شدت میں گذرا جو علاج گھریلو ہوسکتا تھا وہ کیا گیا۔ تیسرے دن بھی جب بخار میں کوئی کمی نہیں ہوئی تو صاحبزادۂ محترم جو سند یافتہ حکیم تھے، مولانا حکیم مسعود احمد صاحب نے پورے انہماک سے اپنا علاج شروع کیا، پانچویں دن جمعہ تھا اس دن حکیم محمد اسماعیل صاحب جو بمبئی میں رہتے تھے اتفاقاً وہ آ گئے وہ تجربہ کار حکیم تھے، اب انھوں نے دوائیں تجویز کیں اور ان کا علاج شروع ہوا۔ چوں کہ انگلیوں پر جہاں زخم تھا وہاں نیلگوں چھالے پڑ گئے تھے اس لئے عام طور پر یہ خیال ہوا کہ یہ سانپ کے کاٹنے کے اثرات ہیں اس کی بھی تدابیر اختیار کی گئیں، ایک بار کسی بدباطن نے سحر کیا تھا، سحر کا دفعیہ کیا گیا، اس بار بھی شک گذرا، علاج معالجہ دعا، دوا کا سلسلہ جاری تھا، لیکن وقت موعود آچکا تھا، قدرت کو امام ربانی حضرت گنگوہی سے اپنے دین کی جتنی خدمت لینی تھی، لے چکی تھی، اس لئے یہ سارے مراحل سفر آخرت کی پہلی منزل کے طور پر تھے، پاؤں پر ورم بڑھتا چلا گیا اور اوپر چڑھتا رہا یہاں تک کہ دس دن گذرے گئے ۹ / جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ / اگست ۱۹۰۸ء کو جمعہ

کا دن تھا، جمعہ کی اذان ہوچکی تھی ساڑھے بارہ بج چکا تھا کہ فرشتۂ اجل آگیا اورآپ ۷۸/سال ۷/ماہ ۳/یوم کی عمر میں سفرآخرت پرروانہ ہوگئے''۔[۸]

حوالہ وحواشی

۱۔ علماء دیوبند کے تابندہ نقوش، مولانا قمرعثمانی صاحب، زمزم بکڈپو دیوبند، ۲۰۰۸ء، ص ۲۲۔۲۳

۲۔ بڑوں کا بچپن، مولانا محمد اسلم صاحب شیخپوری، زمزم بکڈپو دیوبند یوپی، ۱۹۹۶ء، ص۔۴۱۔۴۲

۳۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند اول، سید محبوب رضوی، مکتبہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰۱۳ء، ص ۱۲۷

۴۔ سوانح علمائے دیوبند اول، ڈاکٹر نواز دیوبندی، نواز پبلی کیشنز دیوبند، ۲۰۰۰ء، ص ۵۷۷

۵۔ دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، جناب حافظ اکبرشاہ بخاری، ۱۹۹۸ء، ص ۵۷

۶۔ ہندوستان اورعلم حدیث، مولانا فیروزاختر ندوی، مرکزالشیخ ابی الحسن الندوی، جامعہ اسلامیہ مظفرپوراعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء، ص ۳۱۵

۷۔ دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۵۹

۸۔ مولانا رشید احمد گنگوہی حیات اورکارنامے، مولانا اسیرادروی، شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند، ۲۰۰۵ء، ص ۱۷۷۔۱۷۸

آنکھ حیران ہے کیا شخص زمانے سے اٹھا!

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحبؒ پالن پوری

از: خورشید عالم داؤد قاسمی

زامبیا، ساؤتھ افریقہ

ماہ رمضان کی مبارک ساعت میں حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (رحمہ اللہ) اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ حضرت الاستاذؒ کی قدر و قیمت ہمارے اور ہم جیسے حضرت کے ہزاروں شاگردوں کے دلوں میں اسی وقت سے تھی، جب ہم نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ اب ان کی وفات کے بعد عالم عرب وعجم سے جس طرح اہل علم حضرات نے آپ کی وفات پر رنج وغم کا اظہار کیا اور اپنے تعزیتی مکتوبات وبیانات میں، آپ کی علمی خدمات کو سراہا؛ اس سے آپ کی قدر و قیمت ہمارے دلوں میں مزید بڑھ گئی۔ آپ نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ کتب بینی ومطالعہ، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ ونصیحت اور ردّ بدعات میں صرف میں کیا۔ آپ نے ایشیائی ممالک سے لے کر یورپی وافریقی ممالک تک بغیر لومۃ لائم کی پروا کیے ہوئے، قرآن وسنت کی تشریح وتوضیح، نشر واشاعت اور بدعات وخرافات کے رد کے حوالے سے وہ خدمات انجام دیں کہ بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ جیسی شخصیت برسوں میں پیدا ہوتی ہے۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں — تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

حضرت الاستاذؒ کی تدریسی خدمات کا سلسلہ:

حضرت الاستاذؒ کی خدمات کے متعدد نمایاں پہلو ہیں؛ آپ مدرس ومعلم، مصنف ومؤلف، خطیب وواعظ، داعی ومبلغ اور تاجر وبزنس مین سب کچھ تھے؛ آپ ہمارے لیے ایک قابل تقلید، محترم ومعظم اور شفیق وکریم استاذ تھے؛ اس راقم کو اللہ تعالی نے حضرت سے سنن ترمذی (جلد اول) اور شرح معانی الآثار پڑھنے کا موقع عطا فرمایا؛ ہم اس تحریر میں آپ کی تدریسی خدمات اور درسی خصوصیات کو مختصراً پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؛ تعلیم وتدریس کے میدان میں آپؒ اپنے منفرد اسلوب اور نادر انداز کی بنا پر اپنی مثال آپ تھے۔ آپ اس حوالے سے کسی کے مقلد نہیں؛ بلکہ مجتہد تھے؛ آپ کی اس خوبی کا اعتراف ہر کسی کو تھا؛ آپ کے

جن تلامذہ کو بھی تدریسی خدمات کا موقع میسر ہوتا، ان کی یہ پہلی خواہش ہوتی تھی کہ دوران تدریس، آپ کے طرز اور اسلوب کو اپنا کر، تدریسی خدمات انجام دیں؛ تاکہ طلبہ ان کے درس سے مطمئن ہوسکیں۔

حضرت الاستاذؒ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز، طالب علمی کے دور سے ہی کردیا تھا؛ آپ نے جب دارالعلوم دیوبند سے سن 1382 ہجری میں فراغت کے بعد، افتا کی تعلیم کے غرض سے دارالعلوم میں داخلہ لیا، اسی سال سے آپ نے اپنی تدریس کا آغاز کردیا تھا، آپ نے اپنے چھوٹے بھائی، حضرت الاستاذ مفتی امین صاحب پالن پوری -حفظہ اللہ- (استاذ حدیث، دارالعلوم دیوبند) کو دارالعلوم میں رکھ کر حفظ شروع کرایا؛ حضرت مفتی امین صاحب حفظہ اللہ رقم طراز ہیں:

''راقم الحروف کو 1382 ہجری میں اپنے ہمراہ دیوبند لائے اور حضرت قاری کامل صاحب دیوبندی کی درس گاہ میں احقر کو حفظ قرآن کریم کے لیے بٹھایا، مگر میں اپنی نااہلیت کی وجہ سے قاری صاحب مرحوم سے ٹھیک سے استفادہ نہ کرسکا؛ تو میرے حفظ قرآن کریم کی پوری ذمہ داری آپ نے سنبھالی اور ڈیڑھ سال میں مجھے حافظ بنایا''۔ (الخیر الکثیر، ص:48)

دارالعلوم اشرفیہ، راندیر میں تدریسی خدمات:

تکمیل افتا کے بعد، آپؒ آئندہ سال، دارالعلوم دیوبند میں کچھ مہینے معین المفتی رہے۔ اس کے بعد حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کے توسط سے، ۱۳۸۴ھ میں، آپ کی تقرری دارالعلوم اشرفیہ، راندیر، سورت، گجرات میں ہوئی؛ ذوالقعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ تک، یعنی مستقل نو سال حضرتؒ نے مدرسہ اشرفیہ میں تدریسی خدمات انجام دی، اس تدریسی دورانیہ میں، بہت سی اہم کتابیں آپ سے متعلق رہیں، مثلا: سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، طحاوی، مؤطین، نسائی، ابن ماجہ، مشکاۃ، جلالین، الفوز الکبیر، ترجمہ قرآن کریم، ہدایہ آخرین، شرح عقائد، حسامی وغیرہ۔ (الخیر الکثیر، ص:50)

دارالعلوم دیوبند میں تقرری:

اللہ تعالی نے حضرت مفتی صاحبؒ کے دل و دماغ میں تفہیم و تدریس کا وہ ملکہ ودیعت کر رکھا تھا، جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہوگا؛ آپ کی اس صلاحیت سے آپ کے اساتذہ و طلبہ سب بخوبی واقف تھے۔ چناں چہ جب ۱۳۹۳ھ میں دارالعلوم دیوبند میں، عربی درجات کے لیے ایک مدرس کی ضرورت محسوس کی گئی؛ تو آپ کے استاذ، حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاریؒ نے، جو اس وقت دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات

انجام دے رہے تھے، آپ کو اطلاع دی کہ دارالعلوم میں ایک مدرس کی ضرورت ہے؛ آپ اپنی درخواست برائے تدریس ارسال کریں؛ آپؒ نے درخواست بھیج دی؛ اسی سال شعبان میں مجلس شوری کا اجلاس منعقد ہوا تو اسی مجلس میں آپ کی تقرری ہوگئی اور آپ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ پھر آپ نے شوال ۱۳۹۳ھ سے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات شروع کی اور یہ سلسہ تادم واپسیں (۱۴۴۱ھ) تک جاری رہا۔ (ملخصا از الخیر الکثیر ۵۱/۵۰)

دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تدریسی خدمات کا دورانیہ تقریبا ۴۸ سالوں پر محیط ہے، اس دوران جن کتابوں کی تدریسی ذمہ داری آپ نے انجام دیں، وہ خود اس بات کی شہادت ہے کہ آپ ایک باصلاحیت اور قابل مدرس و معلم تھے۔ ادارہ کی انتظامیہ نے بھی آپ کی صلاحیت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اہم کتابوں کی تدریس کی ذمہ داری آپ کو سپرد کرتی رہی۔ دارالعلوم میں جو کتب آپ کے زیر تدریس رہیں وہ یہ ہیں: سلم العلوم، ملاحسن، ہدیہ سعیدیہ، میبذی، ہدایہ اول، ثالث، رابع، حسامی، مسلم الثبوت، الفوز الکبیر، تلخیص الاتقان، شرح عقائد، جلالی، سراجی، رشیدیہ، مسامرہ، حجۃ اللہ البالغۃ، دیوان متنبّی، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ، جلالین، تفسیر بیضاوی، تفسیر مظہری، تفسیر مدارک، نخبۃ الفکر، مقدمہ ابن صلاح، مشکاۃ، طحاوی شریف، موطا امام مالک، موطا امام محمد، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، مسلم، جلد اول، بخاری جلد اول۔ ابھی تقریبا بارہ سالوں سے آپ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے اہم عہدے پر فائز تھے۔

حضرت مفتی صاحب کی درسی خصوصیات:

حضرت مفتی صاحبؒ اپنے نادر اسلوب، اچھوتے طرز اور مجتہدانہ تدریسی انداز کے لیے جانے جاتے تھے؛ آپ کے درس میں بہت سی ایسی خصوصیات تھیں، جو عام طور پر یکجا کسی ایک مدرس میں نہیں پائی جاتی ہیں؛ آپ کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

آپؒ سبق کے بڑے پابند تھے: آپ وقت پر درس گاہ میں تشریف لاتے اور اس طرح سبق کی پلاننگ کرتے تھے کہ جو مقدار آپ کو پڑھانا ہوتا، آپ گھنٹہ کے دوران پڑھا لیتے اور گھنٹہ بجتے ہی درس گاہ سے نکل جاتے: سال کے درمیان میں، جب سبق جاری رہتا، ان دنوں آپ بہت حد تک کسی لمبے سفر سے گریز کرتے؛ تاکہ سبق کا ناغہ نہ ہو اور طلبہ کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

آپ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ دوران درس آپ جس انداز سے سال کے شروع میں کلام فرماتے تھے، اسی رفتار اور انداز سے سال کے اخیر تک کلام کرتے، تا آں کہ کتاب مکمل کرادیتے۔

آپؒ سال کے شروع میں ہی طلبہ کو کچھ رہنما ہدایات دے دیتے، پھر طلبہ پورے سال آپ کی بتائی ہوئی ہدایات پر پابندی سے عمل کرتے؛ آپ کے دارالحدیث میں قدم رکھنے سے پہلے ہی، طلبہ حاضر ہوجاتے اور وہ خوب صورت سی وسیع وعریض دارالحدیث بھر جاتی۔

آپ کا یہ معمول تھا کہ سال کے شروع میں طلبہ کو اسمائے حسنی اور کچھ احادیث شریفہ یاد کراتے؛ مزید طلبہ سے یہ بھی نصیحت کرتے کہ تم بھی اپنے شاگردوں کو یاد کرانا؛ تاکہ یہ صدقہ جاریہ رہے۔

آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ سال کے شروع میں مبادیات حدیث بیان کرتے تھے، اس ضمن میں آپ بہت سی علمی بحثیں، مثلاً: حدیث، تدوین حدیث، وحی اور وحی کی قسمیں، حجیت حدیث، اجماع، قیاس، تقلید وعدم تقلید، اہل سنت والجماعت وغیرہ وغیرہ کو بخوبی بیان کرتے۔ الحمدللہ آپ کی یہ قیمتی باتیں "تحفۃ الالمعی" جلد اول کے شروع میں محفوظ ہوگئیں ہیں۔

آپ نے اپنے قیمتی اوقات کی قدر کی اور ایک ایک منٹ کتب بینی ومطالعہ، تصنیف وتالیف وغیرہ میں صرف کیا۔ آپ ایک کہنہ مشق، منفرد لب ولہجہ اور اسلوب کے ایک کامل ومکمل معلم ومدرس تھے؛ آپ طلبہ کی نفسیات کو بخوبی سمجھتے تھے؛ لہذا آپ اس طرح کلام کرتے کہ طلبہ آسانی سے آپ کی بات سمجھ جاتے۔

آپؒ اپنے آسان، مرتب اور قابل فہم اسلوب تدریس کی وجہ سے طلبہ کے درمیان مقبول ترین اساتذہ میں تھے؛ دوران تدریس آپ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر کلام کرتے تھے کہ جو طالب علم آپ کی درسی تقریر نوٹ کرنا چاہتا، وہ آسانی سے نوٹ کر لیتا، جب کسی مختلف فیہ فقہی مسئلہ پر کلام کرتے، تو آپ تقابل اور ترجیح سے اجتناب کرتے؛ بل کہ آپ کی یہ کوشش ہوتی کہ طلبہ کے سامنے اختلاف کی بنیادیں بیان کی جائیں؛ تاکہ طلبہ سمجھ سکیں کہ ایک امام نے فلاں موقف اور دوسرے امام نے فلاں موقف کیوں اختیار کیا، ترمذی شریف کے سبق میں ہر کسی کو عبارت پڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ جو طلبہ عبارت پڑھنا چاہتے تھے، آپ ان کا امتحان لیتے؛ جو کامیاب ہوجاتا، آپ ان طلبہ کو منتخب کرتے، پھر وہی طلبہ سال کے اخیر تک عبارت پڑھتے، سال کے اخیر میں طلبہ کو جو نصیحتیں کرتے وہ بھی بہت اہم ہوتی تھیں، آپ اپنی نصیحت میں فارغ ہونے والے طلبہ کو مختلف اقسام میں تقسیم کرتے، پھر وہ طلبہ جن کا مزید تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ہوتا، ان سے کچھ اور باتیں کہتے، جن طلبہ کا تدریس سے منسلک ہونے کا ارادہ ہوتا، ان کو کچھ اور نصیحتیں کرتے، جن طلبہ کا تجارت کرنے کا ارادہ ہوتا، ان کو اس حساب سے مخاطب کرتے، جن طلبہ کا تبلیغی جماعت میں جانے کا ارادہ

ہوتا، ان کو اس کے اعتبار سے نصیحت کرتے۔

حضرت الاستاذؒ مختلف علوم وفنون میں یدطولی رکھتے تھے، آپ ایک کہنہ مشق مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ، آپ ایک مایہ ناز فقیہ اور مفتی بھی تھے، آپ نے سیکڑوں فتاوے کے جوابات اپنے قلم سے تحریر کیے جو رجسٹر میں محفوظ ہیں، آپ ایک بہترین منتظم بھی تھے؛ چناں چہ آپ دار العلوم کی " مجلس تحفظ ختم نبوت" کے ناظم اعلی بھی رہے، الحمد للہ، اس ادارہ نے ردقادیانیت کے حوالے سے حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا، آپ ایک بہترین داعی وخطیب بھی تھے؛ چناں چہ آپ نے ملک وبیرون ممالک کے بہت سے اسفار کیے۔ خاص طور پر آپ رمضان کی طویل تعطیل میں کبھی برطانیہ، کبھی امریکہ، کبھی کنیڈا اور کبھی افریقی ممالک کا دورہ کرتے اور اپنے وعظ ونصیحت سے ہزاروں لوگوں کو سیراب کرتے۔ اللہ پاک آپ کی ان خدمات کو قبول فرمائے!

حضرت مفتی صاحب (رحمہ اللہ) کی عمر تقریبا اسی سال تھی۔ آپ کئی سالوں سے ایک نہ ایک بیماری سے دوچار رہتے تھے، مگر اللہ تعالی نے ہر بار آپ کو شفا عطا فرمایا، عام طور پر آپ علاج کے لیے اپنے محبین ومخلصین کے مشورے سے ممبئی کو ترجیح دیتے تھے، اس بار بھی آپ کی طبیعت رجب کے مہینے میں خراب ہوئی، صحیح بخاری کے آخری سبق کے وقت طبیعت کچھ زیادہ ہی ناساز ہوگئی تھی، آپ ممبئی پہنچے اور علاج شروع ہوا۔ آپ رمضان المبارک کے پہلے دو عشرے میں تراویح کے بعد بیان بھی کرتے تھے۔ مگر پھر طبیعت ناساز ہوئی اور وہی ہوا جو اللہ پاک کو منظور تھا اور یہ علوم وفنون کا انسائیکلو پیڈیا ہمیشہ ہمیش کے لیے بروز پیر، ۲۵ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ ۱۹/ مئی کو بوقت صبح، عروس البلاد ممبئی کے سنجیونی ہاسپیٹل، ملاڈ (ایسٹ) میں، ہم سب سے جدا ہوگیا۔ آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی آپ کے محبین ومتعلقین اور تلامذہ میں مایوسی چھا گئی، سوشل میڈیا پر دعا وایصال ثواب کی خبریں اور تعزیتی مکاتیب کا تانتا بندھ گیا۔ گویا سب یہی کہہ رہے تھے کہ: ع

آنکھ حیران ہے کیا شخص زمانے سے اٹھا!

وفات ہی کے دن، وطن سے سیکڑوں میل دور، اوشیوارہ مسلم قبرستان، جوگیشوری (ویسٹ) ممبئی میں آپ سپرد خاک کردیے گئے۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحب زادے مولانا احمد سعید صاحب (حفظہ اللہ) نے پڑھائی۔ اللہ تعالی حضرت الاستاذ کی خدمات کو قبول فرمائے! رب ذوالجلال آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین!

عمامہ، سنت نبوی اور شعار امت

ازقلم: مولانا محمد حمزہ قاسمی

لباس انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ لباس انسان کی شخصیت، معاشرت، اس کے دین اوراخلاق پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے، انسان کی شخصیت سازی میں لباس کو اہم مقام حاصل ہے۔ اسلام کی مقدس تعلیمات نے انسانی زندگی کی راہنمائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لباس جیسی اہم ضرورت کے ضمن میں اسلامی تعلیمات و ہدایات بھرپور راہنمائی کرتی ہیں۔ معلم اعظم، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لباس کے متعلق نہایت موزوں، معتدلانہ اوراصولی ہدایات تعلیم فرمائی ہیں اور خود بھی جو لباس زیب تن فرمایا وہ ستر پوشی کے علاوہ تجمل، وقار اور سادگی کا بے مثال نمونہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کا ایک اہم جزو عمامہ، پگڑی، دستار بھی تھی، جو اسلامی تہذیب کا شاہکار اور اسلامی تشخص کو اجاگر کرتی تھی۔ آپ نے تمام کی اسلامی حیثیت اور انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لئے قولاً وفعلاً بے حد مفید راہنمائی فرمائی جس کی ایمان افروز جھلکیاں ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں۔

عمامہ باندھنا سنت ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول مبارک عمامہ باندھنے کا تھا، آپ خود بھی عمامہ باندھتے تھے اور مسلمانوں کو بھی عمامہ باندھنے کی ترغیب دیتے تھے، اس لئے اسے سنت کا درجہ حاصل ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا: **" العمامة سنة؟ فقال: نعم"** ۔ (عمدۃ القاری، ١١/ ٣٠٧، باب العمائم)۔ ''کیا عمامہ باندھنا سنت ہے؟ فرمایا: جی ہاں!''۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوری شرح شمائل میں فرماتے ہیں کہ عمامہ کا باندھنا سنت مستمرہ ہے۔ (خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی، ص: ١٦٠)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی منقول ہے، چنانچہ علامہ بدرالدین عینیؒ نے حدیث نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا: **"فاعتموا؛ فان العمائم سيماء الاسلام، وهى الحاجز بين المسلمين والمشركين "** (عمدۃ القاری، ١١/ ٣٠٨)۔ فرمایا: عمامہ باندھا کرو، عمامہ اسلام کی عظمت کا نشان ہے اور مسلمان مشرک کے درمیان امتیاز کرنے والا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث نقل فرمائی: **"اعتموا تزدادوا حلما** ۔ (فتح الباری ١١/ ٤٤٨، باب العمائم) 'عمامہ باندھا کرو، بردباری میں بڑھ جاؤ گے'۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ

عن عمرو بن حريث عن أبيه قال: كأني أنظر الى رسول الله صلى الله عليه و سلم على المنبر وعليه عمامة سوداء. (صحیح مسلم،۱/۴۳۹مصنف ابن ابی شیبہ۸/۲۳۳)

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ (خوش نما اور پروقار) منظراب بھی میرے سامنے ہے کہ آپ منبر پر تشریف فرما خطبہ دے رہے تھے اور سیاہ عمامہ آپ کے سر اقدس پر تھا۔

عن جابر أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل عام الفتح مكة وعليه عمامة سوداء.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر شہر میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ (ابوداؤد،۲/۲۰۹)

"عن أنس بن مالك قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ وعليه عمامة قطرية فأدخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم رأسه ولم ينقض العمامة.

(ابوداؤد،۱/۲۰-۱۹،رقم:۱۴۷،ابن ماجہ،رقم:۵۶۴،مستدرک حاکم،رقم:۶۰۳)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا، آپ پر قطری عمامہ تھا، آپ نے علامہ کے نیچے اپنا ہاتھ داخل فرمایا اور سر کے اگلے حصے کا مسح فرمایا اور عمامہ نہیں کھولا

''قطری' ایک قسم کی موٹی کھردری چادر ہوتی ہے، سفید زمین پر سرخ دھاگہ کے مستطیل بنے ہوتے ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات عمامہ باندھے ہوئے رہتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام رکھتے عمامہ، قمیص، یا چادر، پھر یہ دعا فرماتے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے یہ پہنایا، میں اس کپڑے کی خیر اور جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس کی خیر مانگتا ہوں، اور اس کی اور جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ (ترمذی،۱/۳۰۶،رقم:۱۷۶۷،ابوداؤد،رقم ۴۰۲۰،مستدرک حاکم،قم،۷۴۰۸)

معلوم ہوا کہ عمامہ بھی آپ کے لباس میں شامل تھا اور عمامہ باندھنا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شریفہ تھی۔

ملائکہ کا عمامہ

عن أبي موسى أن جبريل نزل على النبي صلى الله عليه وسلم وعليه عمامة سوداء.

حضرت ابوموسی اشعری بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تو وہ سیاہ عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ (کنز اعمال، ۳۰۶/۱۵)

عمامہ باعث وقار ہے

عن عمران بن حصين: العمائم وقار للمؤمن، وعز للعرب، فاذا وضعت العرب عمائمها وضعت عزها. (کنز العمال، ۱۵/ ۳۰۸)

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ عمامہ مومن کا وقار ہے اور عربوں کی عزت ہے، جب انہوں نے عمامہ ترک کیا تو اپنی عزت کھودی۔

عمامہ اسلام کا شعار ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور عمامہ باندھا اور اس کا شملہ پیچھے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اس طرح عمامہ باندھو، عمامہ خاص طور پر اسلام کی نشانی ہے اور مسلمان اور کافروں کے درمیان باعث امتیاز ہے۔ (کنز العمال، ۱۵/ ۴۸۳-۴۸۲)

عمامہ میں شملہ لٹکانا

نبی اکرم کی عادت شریفہ شملہ کے بارے میں مختلف رہی ہے، کبھی آپ شملہ کے بغیر بھی عمامہ باندھ لیتے تھے، جبکہ اکثر اوقات آپ کا معمول شملہ لٹکانے کا تھا۔ حضرت عمرو بن حریثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا، آپ سیاہ عمامہ پہنے ہوئے تھے اور اس کا کنارہ دونوں شانوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔ (مسلم شریف: ۱/ ۴۴۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان (پچھلی جانب) ڈال دیتے۔ حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ (ترمذی، ۱/ ۲۰۷)

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں حضرات علمائے کرام نے شملہ چھوڑنے کو افضل و مستحب اور اس کے ترک کو خلاف اولی قرار دیا ہے۔ (جمع الوسائل ۱/ ۱۶۸)

شملہ کدھر چھوڑا جائے

رسول اللہ ﷺ کبھی شملہ آگے دائیں جانب، کبھی پیچھے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑتے تھے

اور کبھی عمامہ کے دونوں کنارے شملہ کے طریقہ پر چھوڑ دیتے تھے۔ علامہ مناویؒ نے لکھا ہے کہ ثابت اگر چہ سب صورتیں ہیں لیکن ان میں افضل اور زیادہ صحیح پشت کی جانب دونوں مونڈھوں کے درمیان شملہ چھوڑ دینا ہے۔

(حاشیہ جمع الوسائل للمناوی، ۱/۲۰۶)

شملہ کی حد

پیچھے کی طرف لٹکنے والے شملہ کی مقدار کے سلسلے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چار انگل ہو تو بہتر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف کو کالا عمامہ باندھا اور پیچھے کی جانب چار انگل کے بقدر چھوڑا اور فرمایا کہ اس طرح عمامہ باندھا کرو۔

(عمدۃ القاری، ۲۱/۳۰۷)

عمامہ کی مقدار

امام نوویؒ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دو عمامے تھے، ایک بڑا عمامہ بارہ ہاتھ کا اور چھوٹا سات ہاتھ کا تھا۔ (تحفۃ عن القاری: ۳۰/۴۹) مگر حقیقت اور درست بات یہ ہے کہ عمامہ کی کوئی بھی خاص مقدار نبی اکرم سے صحیح، مرفوع اور صریح طور پر ثابت نہیں ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے "الحاوی للفتاوی" میں فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے عمامہ شریف کی مقدار کسی روایت سے ثابت نہیں۔ (۱/۸۴) علامہ جزریؒ " تصحیح مصابیح" میں لکھتے ہیں کہ میں نے آپ کی دستار کی مقدار معلوم کرنے کی جستجو کی کہ کہیں سے صحیح مقدار معلوم کر سکوں لیکن مجھے کسی کتاب میں صحیح مقدار معلوم نہ ہو سکی۔ (جمع الوسائل، ۱/۱۶۸)۔ حضرت مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوری لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے، طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آئی ہے، بیجوری نے ابن حجر سے اس کا بے اصل ہونا نقل کیا ہے۔ (خصائل نبوی ص ۱۵۹) علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا عمامہ مبارک نہ تو اس قدر بڑا تھا کہ جو سر کے لئے باعث تکلیف ہو اور نہ ہی اتنا چھوٹا تھا کہ سردی اور گرمی سے نہ بچا جا سکے؛ بلکہ درمیانہ تھا۔ (المواہب اللدنیہ ۲/۴۲۷)

مذکورہ بالا تصریحات سے مستفاد ہوا کہ عمامہ کی مسنون مقدار کسی قابل اعتبار روایت سے ثابت نہیں؛ اس لئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اس سلسلہ میں کوئی تحدید نہیں، جس کو لوگ عمامہ سمجھیں اس سے یہ سنت ادا ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی لکھتے ہیں: تولیہ اور رومال ٹوپی پر باندھنا مکروہ نہیں ہے، یعنی عمامہ کے طور پر باندھنا؛ بلکہ اطلاق عمامہ کا اس پر ہوگا اور باندھنے والا مستحق ثواب ہوگا کہ اس میں تحدید شرعی نہیں۔ فتاوی دار العلوم یعنی عزیز الفتاوی مبوب مکمل، ۱/۲۱۶، ط: کراچی)

عمامہ کا رنگ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ اکثر اوقات سفید یا سیاہ ہوا کرتا تھا، وقتاً فوقتاً آپ کسی دوسرے رنگ کا بھی عمامہ استعمال فرماتے تھے، سیاہ عمامہ سے متعلق بعض صحیح احادیث مضمون میں گزر چکی ہیں، جبکہ سفید رنگ کا عمامہ بھی 'مستدرک حاکم' اور 'طبرانی' کی روایت سے ثابت ہے''قطری'' کا تذکرہ بھی ابوداؤد کے حوالے سے گذر چکا ہے جس میں سرخی ہوتی تھی اور بعض روایتوں سے زرد عمامہ کا بھی ثبوت ملتا ہے، (حاوی:۲/۱۰۴) ان روایات سے عمامہ کے رنگ کے بارے میں توسع معلوم ہوتا ہے، تاہم سفید عمامہ کا باندھنا افضل ہے؛ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید کپڑوں کو بہت پسند فرماتے تھے، متعدد احادیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ کپڑوں میں سفید کو اختیار کرو، کیونکہ وہ تمہارے کپڑوں میں بہترین کپڑے ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔

(ترمذی، رقم:۹۹۴، ابن ماجہ، رقم:۱۴۷۲، صحیح ابن حبان، رقم:۵۴۲۳، فتح الباری، ۱۰/۲۸۳)

علامہ مناوی شرح زیلعی سے نقل کرتے ہیں کہ کالے عمامہ کا پہننا مسنون ہے اس لئے کہ اس کی حدیث وارد ہوئی ہے، اور جو بھی ہو عمامہ میں افضل سفید ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کالے عمامہ کو پہننا اور ملائکہ کا بدر کے دن پیلے عمامہ کے ساتھ اترنا اس کے منافی نہیں؛ اس لئے کہ اس وقت خاص مقاصد اور مصلحتیں رہی ہوں گی جن کی وجہ سے یہ رنگ اختیار کئے گئے، جیسا کہ بعض بڑے علماء نے اس کو بیان فرمایا ہے، اس لئے صحیح حدیث میں سفید کپڑوں کے پہننے کا جو عام حکم آیا ہے وہ اپنی جگہ عموم کے ساتھ باقی ہے، اس طرح کے واقعات اس کے منافی نہیں۔ (حاشی جمع الوسائل للمناوی ۱/۱۶۵)

عمامہ اور نماز

عمامہ پہن کر نماز پڑھنے کی اگرچہ کوئی خاص فضیلت احادیث صحیحہ میں وارد نہیں ہوئی ہے؛ لیکن چونکہ عمامہ پہننا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و عادت کریمہ ہے اور صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین بھی عموماً عمامہ پہنا کرتے تھے، نیز یہ کسی دوسری قوم کا لباس نہیں؛ بلکہ مسلمانوں کا شعار ہے اور انسانوں کے لئے باعث عز و وقار ہے، اس لئے فقہائے کرام نے عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے، چنانچہ البحر الرائق میں ہے:

"والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب، قميص و ازار و عمامة"

مستحب ہے کہ مرد تین کپڑوں میں نماز پڑھے قمیص، ازار اور عمامہ۔ (بحرالرائق: ۲/ ۲۷)

لہذا ہمیں بھی عمامہ یا ٹوپی پہن کر ہی نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیئے، اگر چہ عمامہ یا ٹوپی پہننا واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے۔

عمامہ کو ٹوپی پر باندھنا

نبی کریم ﷺ نے بسا اوقات بیان جواز کے لئے بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرمایا ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے 'الحاوی للفتاوی' اور علامہ ابن قیمؒ نے 'زاد المعاد' میں صراحت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹوپی کے ساتھ اور بغیر ٹوپی کے (دونوں طرح) عمامہ پہنتے تھے۔ (الحاوی للفتاوی: ۱/ ۸۳، زاد المعاد ۱/ ۱۳۰)

لیکن آپ کا عام معمول عمامہ کے نیچے ٹوپی رکھنے کا تھا، سلف صالحین اور بزرگان دین کا عمل بھی اسی پر رہا ہے؛ اس لئے افضل یہی ہے کہ اولاً ٹوپی پہن کر اس پر عمامہ باندھا جائے۔ حضرت رکانہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے۔ (ترمذی، رقم ۱۷۸۴، ابوداؤد، رقم ۴۰۷۸) یعنی مسلمان ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھتے ہیں، بخلاف مشرکین کے کہ وہ بغیر ٹوپی اوڑھے عمامہ باندھتے ہیں۔ (بذل المجہود، رقم الحدیث: ۴۰۷۸-شرح الطیبی ۸/ ۲۲۹) امام جزریؒ سے منقول ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ٹوپی اور پگڑی معاً پہننا مسنون ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۲۱۵) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **نعم الجمع بين الأحاديث أنها مع القلنسوة أفضل ....الخ** (مرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۲۱۵)

تمام احادیث کی بہترین تطبیق یہ ہے کہ عمامہ ٹوپی کے ساتھ پہننا افضل ہے۔

عمامہ باندھنے کا طریقہ

عبدالسلامؒ سے منقول ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ جناب نبی کریم ﷺ عمامہ کیسے باندھتے تھے؟ تو جواب دیا کہ حضرت عمامہ کے ایک سرے کو اپنے سر پر لپیٹ کر سر کے پیچھے ٹوپ لیتے اور دوسرا سرا اپنے دونوں کندھوں کے درمیان شملے کے طور پر چھوڑ دیتے تھے۔ (حاشیہ جمع الوسائل للمناوی: ۱/ ۲۰۶)

عمامہ کھڑے ہو کر باندھے

صاحب مدخل فرماتے ہیں کہ عمامہ کھڑے ہو کر اور پاجامہ بیٹھ کر پہننا چاہیئے۔ (جمع الوسائل، ۱/ ۲۰۸)

اس کے برخلاف نسیان اور فقر پیدا کرتا ہے۔ (زرقانی، ۴/ ۵، بحوالہ شمائل کبری)

عمامہ سے متعلق ان تفصیلات کے پیش نظر ہمیں عمامہ باندھنے کا اہتمام کرنا چاہیئے اور اسے عام کرنا چاہیئے۔

استغفار؛ مصائب سے نجات کا ذریعہ ہے

ازقلم: مولوی محمد محفوظ کٹکی

اس دنیائے رنگ و بو میں کتنے ہی وہ لوگ ہیں جو گونا گوں مصائب، نوع بہ نوع آلام اور زمانے کی ستم ظریفی سے چور ہیں، کتنے ہی ایسے بیمارانِ محض ہیں جنہیں یا تو درد نے، یا پھر دواءِ درد نے لاچار بنا رکھا ہے، اور کتنے ہی نازک اندام آبگینے ہیں جو حوادث کے سخت واروں کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے ریزہ ریزہ ہوگئے، ناچیز ان تمام سر باختگانِ امید وبیم کی خاطر درجِ ذیل سطور میں ایک قرآنی علاج بتانا چاہتا ہے، امید کہ ہم سب اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو خوش حال بنانے اور ربِ کریم کی مرضی کے مطابق گزارنے کی سعی کریں گے۔

استغفار کی تعریف

استغفار لغت میں بندے کا اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرنے کا نام ہے، خواہ یہ طلب بہ طریقِ قول ہو یا بہ طریقِ فعل اور اصطلاحِ فقہاء میں استغفار بندہ کا اپنے پروردگار کی طرف اس غرض سے متوجہ ہو جانا ہے کہ وہ اس کے گناہوں کو معاف کردے اور اور اس کی کوتاہیوں پر پردۂ عفو ڈال دے۔

استغفار کی اہمیت کیوں؟

استغفار میں جہاں ایک طرف بندہ اللہ تعالی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے، وہیں دوسری طرف استغفار کے بے انتہا فوائد بھی ہیں جو مفت میں بندے کو ہم دست ہو جاتے ہیں، ذیل میں انہی فوائد وآثار کو ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(الف) استغفار کی برکت سے اللہ تعالی کا قرب حاصل ہوتا ہے؛ اس لیے کہ استغفار ایک ذکر ہے اور ذکر اللہ سے قربِ الٰہی کا حاصل ہونا یقینی ہے۔

(ب) استغفار سے دل کے ہموم وغموم دور ہوتے ہیں۔

(ج) استغفار دل کی صفائی اور پاکیزگی کا سبب ہے، اس سے بندہ راحت واطمینان محسوس کرتا ہے۔

(د) استغفار کی مداومت کے طفیل انسان صغائر و کبائر سے محفوظ رہتا ہے۔

واضح رہے کہ استغفار کے مکفّرِ ذنوب ہونے کے سلسلے میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے؛ چنانچہ امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ استغفار سے اگر مقصود صرف انکساری اور محتاجی کا اظہار ہے، حقیقی توبہ مطلوب نہیں ہے، تو اس سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں نہ کہ کبائر؛ مگر حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک محض استغفار سے دونوں قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

(ہ) استغفار انسان کو پیش آمدہ پریشانی کے ازالہ کا باعث ہے اور ان تمام مشکلات سے نجات کا ذریعہ ہے جو ابنِ آدم کو اس کی زندگی میں عارض ہوتے ہیں۔

(و) استغفار بارانِ رحمت کے نزول اور مال واولاد کی بڑھوتری کا سبب ہے؛ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

''فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ اِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً، يُرسِلِ السَّمَاءَ عليكم مِّدْراراً، ويُمدِدْكُم بأموالٍ وّبنينَ و يجعلْ لكم جنّاتٍ وّيجعلْ لكم أنهاراً''۔

بایں ہمہ بسا اوقات بندہ خوب دعا واستغفار کرتا ہے؛ مگر وہ لا حاصل ہوتے ہیں، اس کی بھی بہت سی وجوہات ہیں: مثلاً کبھی انسان صرف دعاء استغفار کا تلفظ کرتا ہے، جبکہ اس کے دل میں معانی کا استحضار نہیں ہوتا، یا اعتقاد کی کمی ہوتی ہے، نتیجتاً اس کی دعا رائیگاں ہوجاتی ہے؛ اسی طرح کبھی استغفار کے تمام شرائط نہیں پائے جاتے تو بھی وہ قابلِ قبول نہیں ہوتا؛ یہاں یہ جان لینا چاہیے کہ دعا کی طرح استغفار کی قبولیت کے بھی کچھ شرائط ہیں: مثلاً عاجزی وانکساری، آئندہ نہ کرنے کا عزمِ مصمم، استحضارِ قلبی اور حقوق العباد کی ادائیگی، اگر اس میں کوتاہی ہوئی ہو۔

استغفار کا حکم

عمومی اوقات میں کہ جب کوئی معصیت سرزد نہ ہو، استغفار استحباب کا درجہ رکھتا ہے، ارشادِ باری **''واستغفروا الله، إنّ اللّهَ غفورٌ رّحيمٌ''** میں یہی حکم ہے؛ مگر جب کوئی مسلمان معصیت کا ارتکاب کرلے اس وقت استغفار واجب ہوجاتا ہے، نیز استغفار کبھی مکروہ بھی ہوجاتا ہے، جیسے مالکیہ کے نزدیک میت کے لیے "استغفار خلف الجنازۃ"، اور اگر کوئی مسلمان کسی کافر کے لیے استغفار کرے تو پھر حکم حرمت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔

استغفار کی مشروعیت

چونکہ فطرتِ انسانی گناہوں اور خطاؤں کے تابع ہے، جیسا کہ مشہور مقولہ بھی ہے ''الإنسان

مرکب من الخطاء والنسیان"؛اسی لیے اللہ تعالی نے محض اپنی مہربانی سے انسان کے لیے کچھ ایسے اعمالِ صالحہ مشروع کئے ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنی عبادتوں میں واقع کمیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کر سکے، اور اسکی سیئات حسنات سے بدل جائیں، استغفار بھی انہی میں سے ایک عمل ہے؛ اسی لیے ہر چھوٹی بڑی عبادت کے بعد عموماً، اور فرائض کی ادائیگی کے بعد خصوصاً استغفار کو مسنون یا مستحب قرار دیا گیا ہے۔

استغفار کے اوقات

یوں تو انسان کو ہر لحظہ اس مبارک عمل کا ورد رکھنا چاہیے؛ لیکن خاص طور پر اعمالِ صالحہ کے اختتام، اور نماز سے فراغت پر اس کو ضرور معمول بنانا چاہیے، جہاں تک افضل ترین وقت کا تعلق ہے تو حسب بیان قرآن سحر (صبح) کا وقت استغفار کے لئے اہم ہے، قول باری ہے:"**وبالاسحار هم يستغفرون**" (متقی لوگ صبح کے وقت اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں)۔

قرآنِ کریم میں استغفار کی ترغیب

قرآنِ کریم کا مطالعہ کرنے والوں کو بخوبی معلوم ہوگا کہ قرآن میں گاہ بگاہ استغفار کی فضیلت اور اہمیت کا بیان ہے، گزشتہ انبیاء نے اپنی قوموں کو جن جن باتوں کی دعوت دی ہے ان میں ایک استغفار بھی ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے "**واستغفروا ربكم ثُمَّ تُوبُوا إليه، إنّ ربِّي رحيمٌ وَّدُودٌ**" ایک جگہ اور ہے "**فاعْلَمْ أنّه لاإله إلّا الله واستغفرْ لِذنْبِکَ وللمؤمنينَ والْمؤمناتِ**" اور "**وما كان الله ليعذِّبَهُم وأنتَ فيهِمْ، وما كان الله ليعذِّبَهُم وهم يستغفرون**" اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے اس عمل کی مشروعیت ہی نہیں، بلکہ افضلیت کا پتہ ملتا ہے۔

استغفار احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

قرآنِ مقدس کی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی استغفار کی ترغیب جا بجا مذکور ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**إنّ المؤمنَ إذا أذنب ذنبًا كانت نكتةً سوداءَ في قلبه، فإن تاب ونزع واستغفر صقلتُ قلبه، فإن زاد زادت حتى تُغلقَ قلبه، فذلك الرانُ الذي قال اللهُ جل ثناؤه: كَلّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مّا كَانُوا يَكْسِبُونَ**" یعنی بندہ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ جاگزیں ہوجاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ واستغفار کرکے باز آجاتا ہے تو اس کا دل صاف شفاف ہوجاتا ہے، ورنہ وہ داغ بڑھتا رہتا ہے، نتیجتاً پورے قلب کو

محیط ہوجاتا ہے، جس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اچھی بات باور کرنے کی توفیق ختم ہوجاتی ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ”**مَنْ أكثرَ منَ الاستغفارِ، جعلَ اللهُ لهُ منْ كلِّ همٍّ فرجًا، و منْ كلِّ ضيقٍ مخرجًا، و رزقَهُ منْ حيثُ لا يحتسبُ**“، یعنی جو کوئی استغفار کی کثرت کرے گا تو اللہ تعالی اس کے لیے ہر فکر سے چھٹکارہ اور ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ پیدا کردیں گے، نیز اسے ایسی جگہ سے روزی عطا کریں گے، جہاں کا اسے وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔

وجوہاتِ استغفار

اب ہم کچھ ایسی چیزیں سپردِ قرطاس کریں گے جو انسان کو استغفار کرنے پر آمادہ کرتیں ہیں؛ تاکہ انہیں اپنا کر ہم اس عملِ مبارک کو انجام دے سکیں:

(الف) اللہ تعالی کا ذکر، اس کی عظمت، ہیبت اور اس کے مقام کی معرفت کا استحضار، اس کی رضا جوئی کی فکر، اسکی ناراضگی سے بچنا اور اس کے عذاب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا۔

(ب) موت کو یاد کرنا، اس کے لیے تیاری کرنا، دنیا کو حقیر سمجھنا اور آخرت کی فکر کرنا اور یہ بات پیشِ نظر رکھنا کہ موت اپنے وقتِ مقرر پر ضرور آئے گی؛ لہذا عقل مند وہ ہے جو موت سے پہلے اپنی زندگی کو غنیمت سمجھے اور اپنے لیے وہ سب کچھ کرے کہ جس کے نہ کرنے کی صورت میں بعد از مرگ دوسروں کا پچھتانا پڑے گا۔

(ج) اپنے گناہوں کے انجام کو کبھی فراموش نہ کرنا اور یہ اچھی طرح سمجھ لینا کہ تمام بلاؤں، مصیبتوں اور آفتوں کے نزول کا سبب معصیت ہی ہے، اور استغفار ان سب سے نجات کا ذریعہ ہے۔

موانعِ استغفار

اسی طرح بعض اُن چیزوں کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے، جن کی وجہ سے بندہ استغفار جیسی عظیم نعمت سے محروم رہ جاتا ہے، مثلاً:

(الف) گناہوں کو بڑا سمجھنا اور اللہ کی مغفرت سے مایوس ہوجانا، اور اس بات کو نسیاً منسیاً کردینا کہ اللہ کی مغفرت تمام اہلِ دنیا کے گناہوں اور خطاؤں سے کہیں بڑھ کر ہے۔

(ب) معصیت کے ارتکاب کے وقت بوجہ خواہشِ نفسانی کے غالب آجانے کے گناہوں کے انجام کو بھول جانا۔

(ج) طویل آرزوئیں، دنیا کی محبت اور اس کو آخرت پر ترجیح دینا اور توبہ کرنے میں سستی برتنا۔

(د) گناہوں کا عادی ہوکر انہیں معمولی گردانا، جس کی وجہ سے خالق کے مقام و مرتبہ کو بھول بیٹھنا۔

موجودہ حالات کے تناظر میں استغفار

قارئینِ کرام! ماسبق کی پوری تفصیل سے استغفار کے فوائد اور اسکی افضلیت و اہمیت قرآن وحدیث اور عقل کی روشنی میں بخوبی معلوم ہوچکی ہے، اب ذہن میں ایک سوال گردش کررہا ہے وہ یہ کہ موجودہ احوال وکوائف کے تناظر میں آیا استغفار کارآمد ثابت ہوسکتا ہے اور مسلمانوں کو پیش آمدہ ناقابلِ بیان مصائب سے نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے یا نہیں؟ ذیل کے سطور میں اس کی جواب دہی لابدّی ہے:

سورۃ الانفال میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: "**وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ**" کہ اے نبی ﷺ! جب تک آپ دنیا میں موجود ہیں، اللہ آپ کی امت کو عذاب سے دوچار نہیں کرے گا اور اللہ آپ کی امت کو عذاب نہیں دے گا جب کہ وہ استغفار کررہی ہو۔

آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ استغفار دافعِ بلا ہے، اس سے اللہ تعالی اپنے عذاب کو ہٹا لیتے ہیں، پس موجودہ احوال کے پیشِ نظر استغفار کی ضرورت ثابت ہوگئی، اگر بندہ صدق دل سے اس کا ورد رکھے، ائمۂ مساجد مصلیان کو اس کی تلقین کریں، اور ہر گھر میں کثیر مقدار میں نہ سہی، روزانہ ۳۰۰ مرتبہ اس کا ورد کرلیا جائے، تو یقیناً اللہ تعالی اس مصیبتِ عظمی سے نجات عطا فرمائیں گے، جیسا کہ اوپر حدیث شریف میں مذکور ہوا۔

خلاصہ کلام

گزشتہ پوری تحریر کا خلاصہ یہ نکلا کہ عمومی احوال میں عموماً، اور اس جیسے سنگین اور آزمائشِ الٰہی کے زمانے میں خصوصاً استغفار ایک ناگزیر چیز ہے جس کے بغیر ہم عاصیانِ دہر کا 'کورونا' جیسے مہلک عذابِ خداوندی سے بچنا ناممکن ہے۔ ربِ کریم پوری امتِ مسلمہ کی مغفرت فرمائے اور اس وبا کو جلد از جلد ناپید کرکے ہر فردِ بشر کی حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مفتی نسیم حسین لکھیم پوری
مدرسہ قاسم العلوم کمال پور ضلع ہاپوڑ

کسے معلوم تھا کہ ایک چھوٹی سی بستی سے ایک ایسا جیالہ دنیا میں جنم لے گا، جو دنیا میں تاریخ اسلامی کا ایک نیا باب لکھے گا، جس کی آمد سے ظلم وکفر کے بادل چھٹ جائینگے اور میدان کفر پر لرزہ طاری ہو جائیگا، جس میدان میں وہ قدم رکھے گا اس میدان کو ظلم و بربریت سے پاک کر دیگا، وہ بستی جس کو لوگ منحوس سمجھتے تھے، جس کو لوگ اس کی منحوسیت کی وجہ سے پھوٹا شہر کے نام سے جانتے تھے، اسی بستی میں ایک ایسا سورج طلوع ہوگا، جو دنیا کو منور کر دیگا، جسکی روشنی سے پورا عالم فیضیاب ہوگا، جس کے جاری کیئے ہوئے چشمہ سے پورا عالم سیراب ہوگا، تمام عالم کے لوگ اس کے لگائے ہوئے چشمہ سے اپنی پیاس بجھائینگے۔

آخر کار وہ مبارک گھڑی آہی گئی جب آپ کی ولادت باسعادت سے ظلمت کدہ ہند روشن ومنور ہوا اور مبارک سال ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۳ء تھا، کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ بچہ ہندوستان کی تقدیر بدل دیگا، علم وعمل کے میدان میں اسے پوری دنیا میں بغداد وکوفہ، سمرقند وبخاری سے بھی اونچے مقام پر لے جائیگا، اور یہی نہیں ہندوستان کے دشمن انگریزوں کے خلاف جہاد کریگا، اور ہندوستان کو آزاد کرائے گا، پورا عالم اس کا احسان مند ہوگا، نیز اس بچے کے نام کو اپنا لقب بنانے میں دنیا فخر محسوس کرے گی، اور دنیا کے دور دراز کے ممالک سے لوگ اس بچے کی میراث علم کو حاصل کرنے اور اس کے نام کو اپنا لقب بنانے کیلئے سفر کرینگے۔

یہ بچہ کوئی معمولی بچہ نہ تھا، کسے معلوم تھا کہ جب یہ بچہ میدان علم میں قدم رکھے گا تو انگریز جیسا ظالم حکمراں بھی ملک چھوڑنے پر مجبور ہو جائیگا، جب میدان علم وعمل میں قدم رکھے گا تو شرک وبدعت کے محل زمیں بوس ہو جائینگے، جب یہ بچہ دینی مدارس کی فکر لیکر کھڑا ہوگا تو 'دارالعلوم' جیسی اسلامی یونیورسٹی قائم کر کے پورے عالم میں مدارس اسلامیہ کا جال بچھا دے گا، صرف یہی نہیں یہ بچہ ہر محاذ میں نمایاں ہی نظر آئیگا، اور کیوں نہ آئے، آخر یہ کوئی معمولی بچہ تو تھا نہیں۔

یہ ذات مبارک تھی سیدنا امام الکبیر، حجۃ الاسلام، بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی،

آپ کی ذات مبارک ایسی تھی کہ جس کے اندر عشق نبی ﷺ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، چنانچہ آپ کے متعلق آتا ہے کہ آپ گنبد خضراء دور سے دیکھ کر میلوں پہلے ہی اپنی جوتیاں اتار لیتے تھے، آپ کی جوانی، آپ کا بچپن عشق نبیؐ سے معمور تھا، ارواح ثلاثہ میں یہ خواب بھی مذکور ہے کہ زمانہ طالب علمی میں آپ نے ایک خواب دیکھا کہ ''میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے ہزاروں نہریں جاری ہیں''۔آج جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ علم کی نہریں جو پورے عالم میں جاری ہیں یہ سب حجۃ الاسلام کے صدقے میں ہیں، پورے عالم میں علم کا فیضان، آپ کی کاوش اور محنت کا نتیجہ ہے، دنیا میں جہاں جہاں بھی دینی مدارس ہیں وہ سب آپ کے درخت کی شاخیں ہیں، جو پورے عالم میں پھیلی ہیں، اگر کہا جائے کہ ہندوستان کو تمام علوم دینیہ کی سرداری اور بادشاہت ملی، اس کی اصل وجہ حضرت نانوتوی ہی تھے، تو یہ غلط نہ ہوگا، علم کی سرداری اور حکمرانی بھی سمرقند و بخارا، بغداد و کوفہ کے پاس ہوا کرتی تھی، ان کا سر آسمان سے باتیں کرتا تھا، وہاں کے علماء علم کے درخشاں اور روشن ستارے ہوا کرتے تھے، پورے عالم کے نزدیک وہ علم کے بادشاہ تھے، ان کے علوم وفنون کو پوری دنیا تسلیم کرتی تھی، ان کے پاس یکے بعد دیگرے ہزاروں سال علم کی حکمرانی رہی، ایک طویل مدت تک وہاں علوم وفنون کے دریا بہتے رہے۔

آخر کار وہ دن ۱۸۳۳ء آیا، جس دن پورے ملک ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں دینی مدارس کا جال پھیلا، شہر در شہر، قریہ بہ قریہ، علوم قاسم کے علمبردار کھڑے ہوئے، دیکھتے ہی دیکھتے وہ حکمرانی و بادشاہت جو کبھی علماء بخارا و سمرقند، بغداد و کوفہ کا مقدر تھی وہ سرداری، وہ علماء دیوبند کے ہاتھ لگی اور اس طرح یہ ملک ہندوستان علم و عمل کا مرکز بن گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہندوستان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کے اولین معماروں میں ہیں، لیکن اسلامی قلعہ اور اور شاہ صاحبؒ کے اس علوم کو پھیلانے والی ذات حضرت نانوتویؒ کی ہے۔

حضرت نانوتوی کی ذات جتنی بلند و بالا تھی، آپ کی عمر اتنی ہی کم ہوئی، آپ نے اس تھوڑی سی عمر میں اپنی زندگی کا سارا حق ادا کر دیا، حضرت والا کی زندگی کا ہر پہلو روشن اور تابناک ہے، آپ کے بہت سے کارنامے ہیں جن پر ان شاء اللہ اگلی قسط میں روشنی ڈالی جائے گی۔ (جاری.......)

خضاب کی شرعی حیثیت

مفتی تنویر احمد قاسمی
استاد مدرسہ تعلیم الدین پرانا پل، بنارس

خضاب لگانا شرعا مطلوب اور مستحسن ہے، اس سے طہارت ونظافت کا مقصد بھی حاصل ہوتا ہے اور یہ بالوں کے اکرام کا بھی ذریعہ ہے۔ اسکی وجہ سے اہل کتاب کی مخالفت بھی ہوتی ہے جو اسلام میں مطلوب ہے، علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں: **وللخضاب فائدتان احدهما تنظيف الشعر مما تعلق به و الثانی مخالفة اهل الكتاب**'' خضاب لگانے کے دو فائدے ہیں ایک تو گرد وغبار وغیرہ سے بالوں کی صفائی، دوسرا اہل کتاب کی مخالفت۔

خضاب کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیکہ نبی کریم نے ارشاد فرمایا: ''**ان اليهود و النصارى لا يصبغون فخالفوهم**'' (بخاری ۲/۸۰۵) یہود ونصاری خضاب نہیں لگاتے تم ان کی مخالفت کرو۔

حضرت ابن عباس سے آپ کا ارشاد منقول ہے کہ عجمیوں کی مشابہت سے بچو اور داڑھی میں خضاب لگاؤ۔ (نیل الاوطار ۱/۱۲۰)

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضورؐ انصار کی ایک ایسی جماعت کے پاس گذرے جن کی ڈاڑھیاں سفید تھیں، آپؐ نے فرمایا اے انصار! اپنے بالوں کو سرخ یا زرد کرلو۔ (فتح الباری)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوقحافہ (جو حضرت ابوبکر کے والد ہیں) حضور کی خدمت میں لائے گئے اور حال یہ تھا کہ سر کے سارے بال سفید تھے، آپ نے فرمایا: '' **اذهبوا الی بعض نسائه فلتغيره بشی و جنبوه السواد**'' (نیل الاوطار: ۱/۱۱۷)

اس حدیث کے بنا پر امام احمد بن حنبلؒ جب کسی بوڑھے کو خضاب لگائے ہوئے دیکھتے تو خوش ہوتے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کو دیکھا وہ ڈاڑھی میں خضاب لگائے ہوئے ہیں فرمایا (**انی لأری رجلا یحیی میتا من السنة**) (المغنی/ ۷۵) اس شخص نے ایک مردہ سنت کو زندہ کیا۔

خضاب لگانے کی شرعی حیثیت

خضاب لگانے کے متعلق قولی اور فعلی دونوں طرح کی احادیث ہیں، اسی وجہ سے امام نوویؒ نے مرد اور

عورت دونوں کیلئے خضاب لگانے کا مستحب ہونا راجح قرار دیا ہے، احناف کے نزدیک خضاب لگانا مستحب ہے۔ خضاب لگانے کے متعلق احادیث آپس میں بظاہر متعارض ہیں، بعض احادیث سے خضاب لگانا افضل معلوم ہوتا ہے اور بعض احادیث سے خضاب نہ لگانا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ امام محمد لکھتے ہیں: "**لا نری بالخضاب بالوسمة والحناء والصفرة باسا، وان ترکه ابیض فلا باس بذلک کل ذالک حسن**" (مؤطا امام محمد ۴۹۳) ہم زردی مائل مہندی اور خالص زردی والا خضاب لگانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور اگر بال سفید ہی چھوڑ دیں اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، دونوں صورتیں مستحسن ہیں۔

بعض حضرات نے خضاب کے بارے میں متعارض احادیث کے درمیان تطبیق دی ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں خضاب لگانا بہت ضروری ہے، مگر جہاں اس کا رواج ہو، اور جہاں اس کا رواج نہ ہو وہاں نہ لگانا بہتر ہے۔ علامہ شوکانی نے تطبیق دی ہے کہ جن احادیث میں خضاب لگانے کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب چند ہی بال سفید ہوں تو خضاب نہ لگایا جائے، اور جن احادیث میں خضاب لگانے کا ذکر ہے اس کا محل یہ ہے کہ جب پورے بال سفید ہو جائیں یا اکثر سفید ہو جائیں تب خضاب لگایا جائے۔ ملا علی قاری نے اس دوسری تطبیق کو بہتر قرار دیا ہے۔

کیا نبی ﷺ نے خضاب لگایا تھا؟

نبی کریم ﷺ کے خضاب لگانے کے متعلق جو حدیثیں آئی ہیں، وہ دونوں طرح کی ہیں، اسی وجہ سے علماء کی اس مسئلہ میں دو رائے ہو گئیں، جن حضرات کا یہ کہنا ہے کہ آپؐ نے خضاب لگایا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے، حضرت ام سلمہؓ نے ان کو حضور کے بال مبارک دکھلایا جو خضاب شدہ تھے، حضرت عثمان بن عبداللہؒ خود فرماتے ہیں: "**دخلت علی ام سلمة فاخرجت الیها شعر امن النبی مخضوبا**" (بخاری ۲/۸۵) شمائل ترمذی میں حضرت ابورمثہؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں: "**قال ابتدار سول الله مع ابن لی فقال ابنک هذا فقلت نعم**" حضرت ابورمثہؓ اپنے لڑکے کے ساتھ حضور کی خدمت میں تشریف لائے حضورؐ نے پوچھا تمہارا بیٹا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! حضرت ابورمثہؓ کہتے ہیں "**رایت الشیب احمر**" میں نے حضورؐ کے بالوں کو سرخ دیکھا۔ امام ترمذی کہتے ہیں: خضاب کے بارے میں یہ حدیث سب سے واضح ہے اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے سوال کیا گیا کہ آپؐ نے خضاب لگایا ہے؟ آپؓ نے فرمایا ہاں! ان احادیث کے بنا پر علامہ

نوویؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ کبھی کبھی آپ ﷺ نے خضاب لگایا ہے۔

اس کے برخلاف وہ حدیثیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے خضاب کا استعمال نہیں فرمایا ہے۔شمائل ترمذی میں حدیث ہے" **قلت لانس بن مالک هل خضب رسول الله** ﷺ **قال لم یبلغ ذلک انما کان شیئا فی صدغیه**" حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خضاب لگایا ہے تو آپ نے فرمایا: آپ ﷺ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار کو نہ پہونچی تھی کہ خضاب لگانے کی نوبت آتی۔امام ترمذیؒ کا رجحان یہی ہے کہ آپ ﷺ نے خضاب نہیں لگایا ہے۔حنفیہ بھی اسی طرف مائل ہیں، درمختار میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کا خضاب نہ کرنا زیادہ صحیح ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس کی وجہ یہی بتلائی ہے کہ نبی پاک ﷺ کی داڑھی اور سر مبارک میں، بخاری کے روایت کے مطابق سترہ بال سفید تھے، اور ظاہر ہے اتنے کم بال میں خضاب لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ان تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ؐ کا خضاب نہ لگانا زیادہ صحیح ہے۔اور جن احادیث سے خضاب لگانا معلوم ہوتا ہے ان کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں۔

سیاہ خضاب!

سیاہ (کالا) خضاب کا استعمال ممنوع ہے، حضرت ابن عباسؓ حضور کا ارشاد نقل کرتے ہیں "**یکون قوم فی آخر الزماں یختضبون بهذا السواد کحواصل الطیر لا یریحون رائحة الجنة**" (سنن کبری:۱/ ۵۰۸) آپ ﷺ نے فرمایا: آخر زمانے میں ایک جماعت ہوگی جو سیاہ خضاب لگا کر کبوتر کے سینے کے مانند بالوں کو کالا کریگی، یہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے۔

حضرت ابودرداءؓ آپ ﷺ کا ارشا نقل کرتے ہیں:"**من خضب بالسواد سود الله وجهه یوم القیامة**" (مرقاۃ:۸/۳۰۴) جولوگ سیاہ خضاب لگاتے ہیں اللہ تعالی قیامت کے دن ان کا چہرہ سیاہ کردیں گے۔

ان احادیث کے بناپر شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ کالا خضاب حرام ہے، امام نوویؒ نے اسے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔البتہ مجاہدین اگر دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لئے سیاہ خضاب لگائیں تو اس کی اجازت ہے، اور امام ابویوسفؒ اور دیگر بعض مشائخ نے بیوی کی رعایت میں بھی سیاہ خضاب لگانے کو جائز کہا ہے۔لیکن جمہور علماء بیوی کی رعایت میں کالا خضاب لگانے کو جائز نہیں کہتے ہیں۔اس لئے کہ بیوی کی رعایت میں بھی خضاب لگانے کا عدم جواز ہی راجح ہے۔

مدارس کی اہمیت

مولانا وزیر احمد مظہری
استاد مدرسہ تعلیم الدین پرانا پل، بنارس

سماج اور معاشرہ کی ضروریات میں سے ایک بہت ہی اہم ضرورت تعلیمی ادارہ ہے، دنیا کے عام معاشرہ اور سماج کے لئے تعلیمی ادارہ محض ایک دنیاوی ضرورت ہے، لیکن ایک مسلمان اور توحید پرست قوم کے لئے تعلیمی ادارہ، دین وشریعت میں بہت ہی اہمیت رکھتا ہے؛ کیونکہ اس سے قوم مسلم کا وجود اور بقا ہے، اس کے قیام میں کتاب وسنت کا انتظام ہے، اس کے تسلسل سے دنیا اور آخرت کا اہتمام ہے، اسی سے ایمان وعقائد اور ملی تشخصات کی حفاظت ہے، اسلامی حصار ہے، مذہبی شعار ہے، اور بقول علی میاں ندویؒ مدارس ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہیں، سانس کا درجہ رکھتے ہیں۔ (خطبات علی میاں)

مدارس اسلامی کفر وشرک اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف خاموش ہتھیار کے مثل ہیں، مدارس ملت کی شیرازہ بندی کا بہترین وسیلہ ہیں، مدارس قصر قرآنی اور مرکز ایمانی ہیں، مدارس منبع علوم نبوت اور سرچشمہ رشد وہدایت ہیں، مدارس دور نبوت کی تمثیل، اور ارشاد خداوندی ''اقرا'' کی تعمیل ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ بذات خود ایک معلم اعلی تھے ''**بعثت معلما**''، کتاب وسنت کی تعلیم آپ کا فرض منصبی تھا ''**ویعلمهم الکتاب والحکمة**''۔ اسی لئے آپ کو قیام مدارس کا بڑا اہتمام تھا، بدر کے قیدیوں میں جو اپنی جان کا نذرانہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، آپ نے یہ طے کیا کہ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے ہوں، وہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ اس طرح آپ نے ناخواندوں کے لئے گویا ایک پرائمری مدرسہ قائم فرمادیا۔ اسی طرح آپ نے کتابت وحی کا ایک مدرسہ قائم کیا، جن کے طلبہ کو امت کاتبین وحی کے نام سے جانتی ہے۔ صفہ گویا عربی مدرسہ تھا جہاں شعبۂ عالیہ کا نظام اس طور پر تھا کہ کسی گوشہ میں قرآن سیکھنے کے حلقے اور کہیں حدیث رسول کے حلقے ہوتے تھے۔ مردوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے خواتین کے لئے بھی تعلیم کا انتظام فرمایا، ہفتہ میں ایک دن یا موقع بموقع عورتوں کو تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

مکہ میں ابتدائے اسلام میں صفا پہاڑی پر واقع دار ارقم بھی ایک حیثیت سے مدرسہ ہی تھا، جس میں زانوئے تلمذ تہ کرنے والے اکابر صحابہ اور خلفاء اربعہ ہیں۔ وہ مکہ اور مدینہ جہاں تعلیم وتعلم ناقابل اعتناء اور کتاب

وقلم نا قابل توجہ سمجھے جاتے تھے،نزول وحی کی برکت اورآپ کی گہری توجہ نے سرزمین عرب کی فضا تبدیل کردی،اور حجاز مقدس کی قسمت جگادی۔اس تاریخی اور نا قابل فراموش حقیقت کومولانا الطاف حسین حالی نے کیا خوب بیان کیاہے۔

اتر کر حرا سے سوء قوم آیا　　　اور ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
عرب جس پر تھاقرنوں سے جہل چھایا　　　پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

قیام مدارس کے اس پیغمبری اورنبوی مشن کوامت نے ہر دوراور ہر ماحول میں زندہ رکھا،اورالحمدللہ ماضی تاحال، قیام مدارس کا اہتمام چلتا چلا آرہاہے،آج پورے برصغیراور عالم اسلام میں مدارس کے روشن نقوش کی جو ایک تابناک تاریخ مرقوم ہے، وہ انہیں مدارس اسلامیہ کی مرہون منت ہے،جس میں دن رات فرزندان توحید علوم نبوت کے بحر بیکراں میں غوطہ زنی کررہے ہیں۔اور مدارس کا فیض نہ صرف طالبان علوم نبوت، بلکہ پوری انسانیت کوبھم پہونچ رہاہے،اس کے برعکس قدیم وجدید عصری درسگاہیں،اپنی اخلاقی قدریں کھوچکی ہیں،تعمیر انسانیت جیسے عظیم مقاصد عظمت رفتہ ہوگئے ہیں۔حالت یہ ہیکہ آج یہ عصری ادارے تعلیمی نہیں، مالی ادارے بن گئے ہیں،کل تک جوادارے معاشرہ اورسماج کی تعلیم وترقی،اورنت نئے علوم وفنون کے حصول کے لئے قائم ہوئے تھے۔آج محض بے مقصداورتخریبی رول ادا کررہے ہیں۔انسانیت نوازی اورنفع رسانی کے بجائے ہواوہوس کی کربناک تاریخ رقم کررہے ہیں۔

مادہ پرستی اورخودغرضی کے اس تاریک دور میں عصری درسگاہوں کے بالمقابل آج بھی مدارس کی حقیقت بالکل عیاں ہے، مدارس کی اپنی تہذیب وثقافت ہے۔اس کے ضمیر روشن ہیں۔ مادہ نہیں، خداپرست ہیں۔قدیم صالح اورجدید نافع کے زریں اصول پر کاربند ہیں۔اپنی مذہبی کتاب کے پابند عہد ہیں۔حلال وحرام اور جائز و ناجائز کی تمیز رکھتے ہیں۔تزکیہ نفوس اورذکرواذکار کا اہتمام کرتے ہیں۔مساوات اورعدل وانصاف کا درس دیتے ہیں۔امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کی تلقین کرتے ہیں۔حقوق اللہ اورحقوق العباد کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔دنیا کو دین سے اور بندے کورب العالمین سے مربوط رکھتے ہیں۔مردم گر ہیں،انسانیت ساز ہیں، بندہ نواز ہیں، ہر چیز کا ہنر رکھتے ہیں۔ہرسوال کا جواب اورہر درد کی دوا رکھتے ہیں۔مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔فطرت کی آواز سنتے ہیں حق کی گواہی دیتے ہیں۔اور جہالت کومعرفت کا آئینہ دکھاتے ہیں۔

اللہ تعالی ان مدارس کوقائم ودائم رکھےاور فتنے سےاس کی حفاظت فرمائے۔

وطن محبوب ہے معبود نہیں

از قلم: مولانا شوکت شیخ ندوی، مہاراشٹر

انسان جس جگہ پیدا ہوتا ہے، پلتا بڑھتا ہے، رہتا بستا ہے اور زندگی بسر کرتا ہے اسے وطن کہتے ہیں۔ وطن سے اپنائیت ومحبت اس کی فطرت کا حصہ بن جاتی ہے، اسلام بھی اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے؛ کیونکہ اسلام دین فطرت ہے، ادھر کئی دنوں سے یہ بات دہرائی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو ہندستان سے محبت نہیں ہے اور یہاں کی آب وہوا سے بالکل الفت اور لگاؤ نہیں ہے، اس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمان حب الوطنی کے جذبہ سے عاری ہیں، اس طرح سے ان کو ملک دشمن باور کرانے کی کوششیں جاری ہیں، فرقہ پرست سوچ رکھنے والے چاہتے ہیں کہ ہندستانیوں کو مذہب اور نسل کی بنیاد پر تقسیم کرکے اقتدار میں رہیں اور خاص طور پر مسلمانوں کو ٹارگیٹ کیا جارہا ہے، حالانکہ یہ ایک زبردست جھوٹا پروپیگنڈہ ہے بلکہ اس کی زد میں تقریبا تمام ہی اقلیتیں ہندو، سکھ، دلت اور بدھسٹ آنے والے ہیں۔

یہ ملک ہندستان کسی مخصوص فکر ونظریہ کے حامل افراد کی جاگیر نہیں ہے، اس کی آزادی میں تمام برادران وطن ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائیوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا، انہوں نے اپنی جان ومال کی قربانیاں دیں تاکہ آنے والی نسلیں آزاد ہندستان میں سانس لے سکیں۔ بقول ڈاکٹر راحت اندوری

سبھی کا خون ہے شامل یہاں کی مٹی میں
کسی کے باپ کا ہندوستان تھوڑی ہے

مگر کیا معلوم تھا یہاں فرقہ پرستوں کا بول بالا ہوگا اور وہ اقتدار پر قابض ہوجائیں گے اور مسلمانان ہند سے شہریت کے کاغذات اور ملک سے وفاداری کا ثبوت طلب کریں گے، عجب وقت آپڑا ہے اقلیتوں اور مظلوموں پر اور یہ وقت کی ضرورت بن گئی ہے کہ تمام اقلیتیں متحد ہوکر وطن عزیز کی خاطر فرقہ پرستی کے خلاف لڑائی لڑیں تاکہ ملک کی عزت پر آنچ نہ آئے، یہ دراصل ہمارے ملک کو بچانے کی لڑائی ہے، برادران وطن کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک صرف اللہ ہی کو الوہیت ومعبودیت کا درجہ حاصل ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے کی بندگی اور عبادت جائز نہیں، اور اللہ کی بندگی میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کیا

جا سکتا، کسی مخلوق کی عبادت اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔

اسلام جذبہ حب الوطنی کو رد نہیں کرتا لیکن اس کے نزدیک ایمان کی محبت، ایمان کی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے، وہ ایسے لین دین کو روا نہیں سمجھتا جس کے سبب ایمان خطرے میں پڑ جائے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان بھی اسے سب سے زیادہ حتی کہ جان سے بھی عزیز رکھتا ہے، اور وہ ایمان جیسی بیش بہا دولت کا سودا کبھی گوارا نہیں کر سکتا، تحریک پیام انسانیت کے ایک جلسے سے شنکر اچاریہ سوامی لکشمی نارائن نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "مسلمان اپنے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد عقیدت و محبت رکھتے ہیں، اور بڑا پریم ظاہر کرتے ہیں، پھر بھی وہ اپنے پیغمبر کی وندنا نہیں کرتے، اسی طرح مسلمان اپنی ماں کو بڑی عزت دیتا ہے اور محبوب رکھتا ہے لیکن معبود نہیں بناتا، ٹھیک اسی طرح بھارت کو مسلمان محبوب تو کہتا ہے اس لئے کہ وہ اس کا وطن ہے لیکن اس کی وندنا (عبادت) نہیں کرتا، اس لئے اس پر اصرار بالکل بے تکی بات ہے، مسلمانوں کے یہاں اصل عقیدہ ہے اگر عقیدہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ (تعمیر حیات، لکھنو، ص:29، 25/نومبر، 2009ء)

مسلمانوں کو اپنے وطن سے کتنی محبت ہے اس کا ثبوت پیش کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمان جہاں بھی رہے انہوں نے سورج اور پانی کی طرح اپنی افادیت تسلیم کرالی ہے، ملک کے گیسوئے برہم کو سجانے سنوارنے میں نا قابل فراموش کردار ادا کیا ہے، انہوں نے کبھی بھی ملک کے ساتھ غداری نہیں کی ہے، اس پر ہندستان کی تاریخ بھی شاہد ہے اور اس کے چپے چپے پر ان کی محبت کے انمٹ نقوش بھی ثبت ہیں۔ بقول شاعر

" کھنڈر دیار وفا کے کرید کر دیکھو
ہمارے نام کا پتھر ضرور نکلے گا"

شرعی مسائل

مفتی فریدی القاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند

اس وقت پوری دنیا میں ایک مہلک وبائی مرض پھیلا ہوا ہے، جس سے لاکھوں افراد متاثر ہو چکے ہیں اور لاکھوں افراد کو اس مرض نے اب تک لقمہ اجل بنالیا ہے، اس مرض کی اب تک کوئی دوا دستیاب نہیں ہوسکی ہے، اس مرض کی روک تھام کے لئے ملکوں میں الگ الگ قانون نافذ کئے جارہے ہیں، اسی تناظر میں ہمارے یہاں بھی چند قوانین بنائے گئے ہیں، جن میں سے ایک قانون یہ بھی ہے کہ بھیڑ والی جگہوں پر چہرے کو ڈھانک کر رکھا جائے، اور آپس میں دوری اختیار کی جائے۔

اس قانون کا اثر مسلمانوں کی عبادت پر بھی پڑا ہے، خصوصاً نماز پر؛ جس کا اکثر لوگوں نے مشاہدہ بھی کیا ہے، تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے متعلق ایسے مسائل بیان کر دیئے جائیں؛ تاکہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ملکی قوانین کی بھی رعایت رہے۔

ماسک لگا کر نماز پڑھنا

فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ عام حالات میں بلا عذر ناک اور منہ کسی کپڑے وغیرہ میں لپیٹ کر، ڈھک کر نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز میں چہرہ کو ڈھانپا جائے یا ماسک پہنا جائے تو نماز بلا کراہت درست ہوگی؛ لہٰذا موجودہ وقت میں کرونا وائرس سے بچاؤ کی تدبیر کے طور پر احتیاطاً ماسک پہن کر نماز پڑھنے سے نماز بلا کراہت اداء ہو جائے گی۔

ومن المکروهات تغطية انفه وفمه لقول ابی هريرةؓ "انه نهی رسول الله ﷺ عن السدل وان يغطی الرجل فاه" رواه ابوداؤد، والحاکم وصححه، واخرجه الترمذی مقتصراً علی الفصل الاول واخرج ابن ماجة الفصل الثانی، وکان من عادة العرب التلثّم بالعمائم علی الافواه، فنهی رسول الله ﷺ عن ذلک فی الصلوة .

(شرح نُقایہ لملّا علی قاریؒ: ۱/۹۰۳/ دارارقم، بیروت، لبنان)

"یکره اشتمال الصماء والاعتجار والتلثم والتنخم وكل عمل قليل بلا عذر " (قوله: والتلثم) وهو تغطية الأنف والفم فى الصلاة؛ لأنه يشبه فعل المجوس حال عبادتهم النيران، زيلعى .ونقل ط عن أبى السعود: أنها تحريمية". (الدرالمختار وحاشیۃ ابن عابدین (ردالمختار)(1/652)

سینٹائزر کا استعمال

واضح رہے کہ جو الکوحل انگور، کشمش، کھجور یا چھوہارے وغیرہ سے بنایا گیا ہو تو اس کا ایک قطرہ بھی نجس اور حرام ہے، خارجاً اور داخلاً ہر دو صورت میں اس کا استعمال قطعاً منع ہے، خواہ نشہ پیدا ہو یا نہ ہو، اور جو الکوحل مذکورہ چار اشیاء کے علاوہ؛ مثلاً: گیہوں، شکر قند، آلو، گنّا وغیرہ سے بنایا گیا ہو اس کے استعمال کی گنجائش ہے؛ اس لیے کہ یہ الکوحل سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کے مطابق ناپاک نہیں ہوتا بلکہ ایک قسم کا کیمیکل ہوتا ہے؛ اور عام طور سے عطر، پرفیوم، دیگر مختلف اقسام کی ادویات، شیمپو، کنڈیشنر اور ہینڈ واش میں اس دوسری قسم کا الکوحل ہی استعمال ہوتا ہے؛ اس لیے فی نفسہٖ سینیٹائزر کے استعمال کی گنجائش ہے، تاہم اگر سیناٹائزر کا کوئی متبادل موجود ہو تو احتیاط کر لینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند،١: ٤٢٢- ٤٤٢، ترتیب جدید)

ماہرین کی تحقیق یہی ہے کہ دواؤں میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے وہ عصیر العنب یا عصیر الرطب نہیں ہوتا۔ (احسن الفتاوی ٨/ ٤٨٨)

آج کل کے شیمپو، عطر، صابون وغیرہ میں بھی وہی الکحل استعمال ہوتا ہے جو انگور، کشمش، کھجور اور چھوہارے کے علاوہ گیہوں، آلو وغیرہ ترکاری وسبزیوں سے کشیدہ ہوتا ہے، وہ ناپاک نہیں ہوتا لہذا اس کا استعمال درست ہے۔

وقد ثبت من مذهب الحنفية المختار ان غير الاشربة (المصنوعة من التمر او من العنب) ليست نجسة. (فقہ البیوع:١/ ٢٩٤)

وقال العلامة شبير احمد العثمانى: وإن معظم الكحول التى تستعمل اليوم فى الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر؛ إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره وحينئذ هناك فسحة فى الأخذ بقول أبى حنيفة عند عموم البلوى.

(تکملۃ فتح الملہم، ٩: ٣٤٣، کتاب الاشربۃ، حکم الکحول المسکرۃ، ط: اشرفی دیوبند)

صفوں کے درمیان ایک میٹر یا ایک فٹ کا فاصلہ رکھنا

احادیث مبارکہ میں صفیں سیدھی کرنے اور مل مل کر کھڑے ہونے کی بڑی تاکید آئی ہے، اس لئے علماء کرام وفقہاء عظام نے حالت نماز میں مل مل کر کھڑے ہونے اور کندھوں سے کندھے ملا کر قیام کرنے کی تاکید کی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدى إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان ۔(أبوداؤد، الصلاة، باب تسوية الصفوف ١/ ٩٧، دار السلام، رقم: ٦٦٦، المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربی ١٣/ ٣١٩، رقم: ١٤١١٣، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٩٨، رقم: ٥٧٢٤)

اس کے معنی یہ ہیں کہ: نماز میں کندھے سے کندھے ملائے جائیں، درمیان کے خلاء کو پر کیا جائے، یہاں تک کہ شیطان کے لئے درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ رہے۔

ایک روایت میں یہی طریقۂ قیام فرشتوں کا بھی بتایا گیا ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَلَّ وَعَزَّ؟ قُلْنَا: وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ؟ قَالَ: " يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْمُقَدَّمَةَ، وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ "

(سنن ابی داود، رقم الحديث 661 كِتَابُ الصَّلَاةِ | تَفْرِيعُ أَبْوَابِ الصُّفُوفِ |بَابٌ: تَسْوِيَةُ الصُّفُوفِ)

ويتراصون فى الصف) أى يتلاصقون حتى لا يكون بينهم فرج من رص البناء إذا ألصق بعضه ببعض .(عون المعبود شرح سنن أبي داود رقم الحديث 661 تسوية الصفوف)

ایک حدیث میں صفوں کی درستگی کو جس میں خلا پُر کرنا بھی شامل ہے نماز کا حُسن قرار دیا گیا ہے۔

شرح أبي داؤد للعينی میں ہے:

"نا أبو الوليد الطيالسى، وسليمان بن حرب قالا: نا شعبة، عن قتادة، عن أنس قال: قال رسول الله: " سَووا صفوفكم، فإن تسوية الصف من تمام الصلاة ."(أخرجه البخاری، ومسلم، وابن ماجه، وفی رواية: "من حُسن الصلاة"، وعند السراج من حديث شعبة: قال قتادة: قال أنس: إن من حسن الصلاة: / إقامة الصّف، وفی لفظ: من تمام الصلاة.)

ثم إن تَسوية الصفوف من سُنة الصلاة عند أبى حنيفة ومالك والشافعى، وزعم ابن حزم أنه فرض، لأن إقامة الصلاة فرض، وما كان من الفرض فهو فرض، قال عليه السلام: "فإن تسوية الصف من تمام الصلاة قلنا: قوله: "فإنه من حُسن الصلاة " يدل على أنها لَيست

بفرضٍ، لأن ذلک أمر زائد على نفس الصلاة، ومعنى قوله: " من تمام الصلاة ": من تمام كمال الصلاة، وهو - أيضاً - أمر زائد، فافهم". (کتاب الصلاۃ، بَابُ: تفریع أبْوَابِ الصُّفُوفِ)

عام حالات میں صفوں کے درمیان خلا رکھنا مکروہِ تحریمی ہے، اورمل کر کھڑا ہونا سنت متوارثہ اورنماز کا حسن و اتمام ہے، تاہم اگر کوئی واقعی عذر موجود ہو تو صف کے درمیان ایک آدمی کے فاصلے کی اجازت ہوگی، کرونا وائرس کی وجہ سے حفظانِ صحت کے اصولوں کی رو سے حکومتی احکامات اور مسلمان دین دار، تجربہ کار ڈاکٹروں کے مشوروں کے مطابق اگر مسجد کی حدود کے اندر فاصلہ رکھ کر نماز پڑھ لی جائے تو نماز ادا ہوجائے گی، تاہم فاصلہ رکھ کر کھڑا ہونا سنتِ متواترہ کے خلاف ہوگا۔البتہ نماز درست رہیگی۔اورضررِ عام (وبائی بیماری) سے بچنے کے لئے ضررِ خاص (ترکِ سنّت) کو برداشت کیا جائیگا۔

يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام .(قواعد الفقہ)

البحر الرائق لابن نجیم میں ہے:

"...........وفي فتح القدير وروى أبو داود والإمام أحمد عن ابن عمر أنه صلى الله عليه وسلم قال: »أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينوا بأيدي إخوانكم ولاتذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفًّا وصله الله ومن قطع صفًّا قطعه الله.

(البحر الرائق کتاب الصلاۃ باب الامامۃ ۱/ ۳۷۵ دار الکتاب العربی)

"ومن سنن الصف التراص فيه والمقاربة بين الصف والصف والاستواء فيه قوله: "استووا" أي في الصف قوله: "تستو" بحذف الياء جواب الأمر وهذا سر علمه الشارع صلى الله عليه وسلم كما علم أن اختلاف الصف يقتضي اختلاف القلوب قوله: "أقيموا الصفوف" أي عدلوها قوله: "وحاذوا بين المناكب" ورد كأن أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه قوله: "وسدوا الخلل " أي الفرج روى البزار بإسناد حسن عنه صلى الله عليه وسلم: "من سد فرجة في الصف غفر له ."(حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلاۃ باب الامامۃ: ۳۰۶ دار الکتب العلمیہ)

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

مفتی فریدی القاسمی

۱۷/۱۰/۱۴۴۱ھ=۱۰/۶/۲۰۲۰ء چہار شنبہ

نوٹ: شرعی مسائل کے لئے اپنے سوالات اس (faridialqasmi01@gmail.com) پر ارسال کریں۔جوابات ان شاءاللہ اگلے شمارے میں مل جائیں گے۔

برقی کتب خانہ ''دارالمصنفین'' ایک تعارف

اس وقت سوشل میڈیا کا استعمال وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے، دنیا کے سبھی ممالک جہاں سوشل میڈیا کے مثبت استعمال سے مستفید ہو رہے ہیں، وہیں بڑی حد تک اس کے غلط استعمال کا خمیازہ بھی بھگت رہے ہیں، میرے مشفق و مربی حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ سوشل میڈیا سے متعلق ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''ضرورت اس بات کی ہے کہ سوشل میڈیا کا اچھے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے اور اس کی مضرتوں سے نئی نسل کو بچایا جائے؛ کیوں کہ جن چیزوں میں نفع اور نقصان دونوں پہلو ہوں، اور اس ذریعہ کو بالکل ختم کر دینا ممکن نہ ہو تو اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے لئے یہی حکم ہے کہ اس کو مفید طریقہ پر استعمال کیا جائے اور نقصاندہ پہلوؤں سے بچا جائے، جس چاقو سے کسی جانور کو حلال طریقہ پر ذبح کیا جا سکتا ہے اور کسی بیمار کو نشتر لگایا جا سکتا ہے، وہی چاقو کسی بے قصور کے سینہ میں پیوست بھی کیا جا سکتا ہے، تو ہمارے لئے یہی راستہ ہے کہ ہم چاقو کے صحیح استعمال کی تربیت کریں۔"

لہذا ان ہی چندوجوہ اور فوائد کا خیال رکھتے ہوئے سوشل میڈیا کے معروف ذرائع ٹیلیگرام (Telegram) پر "دارالمصنفین" کے نام سے ایک بڑا برقی کتب خانہ کا وجود عمل میں آیا جو چند علماء کی سرکردگی میں تاحال رواں دواں ہے، اس ٹیلیگرام چینل میں اکابر دیوبند اور ان سے وابستہ حضرات علمائے کرام کی اردو تصانیف (قرآن، علوم قرآن، احادیث، علوم حدیث، فقہ و فتاوی، تفاسیر، سیرت رسول اکرم ﷺ، سیرت صحابہ، سیرت تابعین اور سیرت اکابر دارالعلوم دیوبند نیز درس نظامی سے متعلق کتب اور اردو عربی شروحات وغیرہ، اسی طرح موضوع اور مصنف کے اعتبار سے فہرست کے ساتھ یکجا انٹرنیٹ یا مؤلفین و مرتبین سے موصول شدہ کتب) کو جمع کیا گیا ہے، جس سے ہزاروں افراد مستفید ہو رہے ہیں۔ (اداریہ سے ماخوذ)

شامل ہونے کے لئے

https://t,me/darulmusannifeen

@darulmusannifeen